جلد 11 شمارہ 12 اکتوبر 2009ء شوال 1430ھ

ماہنامہ

قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰنَا
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

(التوبہ ۔ 51)

ترجمہ

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی مگر وہی
جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔
مومنوں کو اللہ ہی کا بھروسہ رکھنا چاہئے۔

ماہنامہ
آدمیت
فلاح
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا
نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد
تقسیم کنندہ : میاں علی رضا
ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق
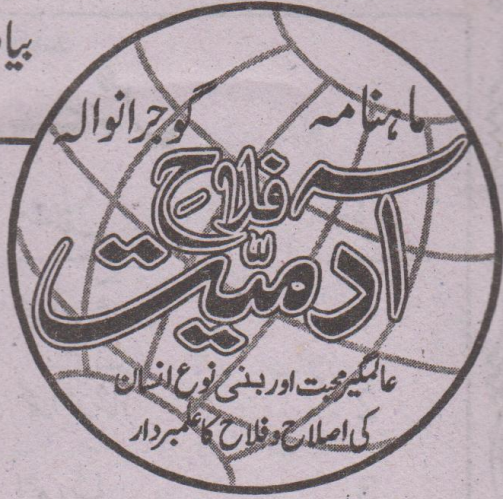
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942
فیکس نمبر: +92-55-3736841
ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ــــــــــ -/20 روپے
سالانہ فنڈ ــــــــــ -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

حمد

جھک رہا ہے سب زمانہ ، اِک خدا کے روبرو
ہر حقیقت ہے فسانہ، اِک خدا کے روبرو
روک لیتا ہے ستم کے ہاتھ وہ، اِک آن میں
چوک جاتا ہے نشانہ، اِک خدا کے روبرو
ذات کامل خود ہے اِس کی، ہر خزانے کا جواز
ہیچ ہے ہر اِک خزانہ، اِک خدا کے روبرو
طائران خوش نوا کے زمزمے، اس کی مثال
کیا مغنی کا ترانہ، اِک خدا کے روبرو
کس قدر ادنیٰ نظر آتا ہے، اپنے آپ کو
ہر لباس فاخرانہ، اِک خدا کے روبرو
وہ نہ چاہے تو مصیبت، ٹل نہیں سکتی ذرا
کارگر ہے کب بہانہ، اِک خدا کے روبرو
حمد باری کی سعی بھی، شآد ہے کتنی محال
سوچ ہے ہر عاجزانہ، اِک خدا کے روبرو

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اہل طائف کے نرغے میں، خون کا دھارا ایک طرف
رحمت عالم کی رحمت کا، عام نظارا ایک طرف

قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کا نظارہ رشک نظر
آمنہؓ بی بی کی کٹیا کا، نورا منارا ایک طرف

ایک طرف ہے ماضی کا ہر ایک صحیفہ ، ایک جہان
پاک نبیؐ کے قرآں کا ہے، اِک اِک پارا ایک طرف

اِک جانب ہے اہل ستم کی، مکاری اور فوج کشی
سیدھے سچے پاک نبیؐ کا کنبہ سارا، ایک طرف

دنیا بھر کے فلسفیوں کے، سارے نکتے خوب سہی
لیکن اُمی پیغمبرؐ کا، دین ہے پیارا ایک طرف

منشور اقوام عالم کی عظمت کی دھوم، بجا
پندرہ صدیاں پہلے والا، خطبہ سارا ایک طرف

اِک جانب ہے شادؔ مرا، آلودہ دامن عصیاں سے
چشم کرم کا دیکھ رہا ہوں ، پھر بھی اشارا ایک طرف

دِل کی بات

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمت مسلمہ آج ہر میدان میں جس پستی اور زبوں حالی کا شکار ہے اس کیلئے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کا اِنتشار اور بدنظمی جس انتہا کو پہنچ چکی ہے اس کیلئے اُمت کا لفظ بھی درست نہیں آتا۔ اِسی لئے بعض حقیقت پسند دانشور مسلمانوں کیلئے اُمت مسلمہ کی بجائے اُمت مرحومہ کا لفظ اِستعمال کرتے ہیں۔ بڑے علماء اور فلاسفر حضرات نے اِس پستی کی وجوہات کا ذکر کیا ہے اور اِسکے ازالے کیلئے حل پیش کئے۔ بعض بڑی بڑی جماعتوں نے اپنے قیام کا مقصد ہی یہ بتایا کہ وہ مسلمانوں کی حالت کو بدلنے کیلئے وجود میں آئی ہیں مگر کچھ عرصہ بعد ہی اُنکی اپنی حالت بدل گئی اور خود اُنہیں اصلاح کی ضرورت پیش آن پڑی۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے معاشرے کے تین طبقات کو مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اور یہ تجزیہ آپکے عمیق غور وفکر کا نتیجہ تھا جو آپ نے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کا کیا۔

1۔ علماء۔ 2۔ امراء 3۔ صوفیاء۔

اِس کے علاوہ آپ نے ایک اور وجہ بتائی جو کہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے اور الا ماشاء اللہ مسلمانوں کا ہر طبقہ اِس علت میں کسی نہ کسی حد تک مبتلا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”مسلمانوں کی پستی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ لئے ہیں۔“

ایک گروہ تو وہ ہے جو سراسر قرآنی تعلیمات سے ناآشنا اور بیگانہ ہے اِسکو تو شعور ہی نہیں کہ مختلف معاملات میں اللہ کے احکامات کی نوعیت کیا ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ وہ ہے جو بظاہر قرآنی تعلیماتِ پر عمل پیرا ہے مگر اُسکی روح سے ناآشنا ہے اور جسے قران پسندی یا مسلمانی سمجھ رہا ہے وہ بالکل قرآنی تعلیمات کے اُلٹ کوئی چیز ہے۔

مثلاً ایک گروہ اگر نیکی کے کاموں سے دور ہے۔ اللہ پر ایمان کامل یا توحید کی خالص صورت

پر کاربند نہیں۔ تو ہمات پر یقین رکھتا ہے۔ اللہ کے احکامات پر زبانی کلامی عمل کا دعویدار ہے تو یہ گروہ تو گنہگار ہے ہی اسکے مقابل دوسرے گروہ کو انکے ساتھ قرآن کی روح کے مطابق (حکمت خیر خواہی اور نتائج کی ذمہ داری اللہ پر چھوڑتے ہوئے) معاملہ کرنا چاہیے مگر انہوں نے تو معاذ اللہ، اللہ کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لگے دوسروں پر حدیں جاری کرنے اور مختلف القابات سے نوازنے تو کیا ان کا یہ طرز عمل قرآنی روح کے مطابق ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ''شیطان ایسے آدمی کو اسکے اعمال بڑے خوشنما کر کے دکھاتا ہے''۔

اللہ سے اِس بات پر پناہ مانگنی چاہیے کہ ہم ایک کام کو صحیح سمجھ کر کرتے جا رہے ہوں اور وہ اللہ کی نظروں میں کوئی قیمت نہ رکھتا ہو۔ اسی لئے کسی ایسے صاحب بصیرت کی صحبت انتہائی ضروری ہے جو آپکو دین کی حقیقی رُوح سے آشنا کروائے۔ ایک فرد (قوم یا اُمت کے) کُل کا ایک جز ہے اس لئے اگر فرد صحیح ہو جائے اور اپنے دائرہ کار میں درست رویہ اپنائے تو یقیناً اِسکا اثر قوم اور ساری اُمت پر پڑے گا اور بتدریج تبدیلی کی بنیاد پڑے گی۔

ہمیں چاہیے کہ اپنا ہر عمل متوازن انداز اور اللہ سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے شروع کریں اور کسی مردِ کامل کی صحبت اور قرآن کی رُوح اور مزاج کو سمجھتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ اللہ ہمیں حق کی راہ پہچاننے کی توفیق دے۔ آمین والسلام! احمد رضا

دعا برائے ایصال ثواب

☆ حلقہ توحیدیہ اسلام آباد کے بھائی محمد رشید منہاس کے والد محترم

☆ حلقہ توحیدیہ ڈسکہ کے بھائی محمد اسلم چیمہ کے والد محترم

قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

تمام برادران سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

طٰہٰ

نام

سورۃ کے آغاز میں مذکور حروفِ مقطعات ہی کو علامتی نام قرار دیا گیا۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں نازل ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے قبل اِس سورۃ کا ابتدائی حصہ نازل ہو چکا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس سورۃ کی ابتدائی آیات سن کر متاثر ہونا اور ایمان لانا بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ ہجرتِ حبشہ سے پیدا شدہ صورتِ حال اور حبشہ سے وفد کی ناکامی پر اہل مکہ نے مشورہ کیا کہ اب یہ لازم ہو چکا ہے کہ اس دین کے داعی سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے قتل کے ارادے سے مسلح ہو کر چل نکلے۔ راستے میں اطلاع ملی کہ ان کی ہمشیرہ فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ وہ فوراً ان کے گھر پہنچے جہاں سیدنا خبابؓ ان دونوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ عمرؓ قرآن پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ مگر جب فاطمہؓ بنتِ خطاب نے آپ کو دیکھ کر صحیفہ چھپالیا۔ صورت حال کا جائزہ لیکر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کو آگے بڑھیں تو ان کے سر پر چوٹ لگی اور خون بہنے لگا۔ عمرؓ اس پر پشیمان ہوئے اور صحیفہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بہن نے صحفیہ نہ پھاڑنے کا عہد لے کر غسل کیلئے کہا۔ سیدنا خبابؓ نے آپ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی نشر واشاعت کا خوب کام لے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ دُعا فرمائی تھی۔

"اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے ساتھ اسلام کو قوت بخش دے"۔

دُعا کو شرف قبولیت حاصل ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ دارِ ارقم پہنچے اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ ہجرتِ حبشہ کے وقت آپ کے ایک رشتہ دار عامرؓ نے بھی اس خوشخبری کا ذکر

اپنی اہلیہ کے ساتھ کیا تھا اور کہا تھا کہ عمرؓ بہت جلد حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی ہدایت کیلئے دُعا فرمائی ہے۔

مضامین

نبی اکرم ﷺ قوم کے رویے اور ہٹ دھرمی کے باعث ہمیشہ دل گرفتہ رہتے جیسا کہ ہجرت حبشہ کے ذیل میں ذکر کیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کیلئے قرآن نازل نہیں کیا اور نہ آپکے ذمے یہ کام ہے کہ آپ ان لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر کے دکھائیں بلکہ یہ تو ایک نصیحت اور یاد دہانی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اس کلام الٰہی کے ذریعے سے اللہ کا خوف پیدا کیا جائے جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک اور معبودِ حقیقی ہے۔

اس سورت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ شروع کر کے اِس کی بے شمار جزئیات کو ہدایت کے لئے تفصیلاً بیان کیا گیا۔ اگر مجموعی طور پر قرآنِ مجید کے مضامین کا مطالعہ کیا جائے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بے شمار مقامات پر مختلف انداز سے ملے گا۔ اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جزیرہ عرب کے اندر اور اردگرد یہودی آبادی کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ذات اہل عرب میں بحیثیت نبی زیادہ متعارف تھی۔

نبی اکرم ﷺ کے بچپن اور نبوت کے منصب پر فائز کیے جانے کے واقعات کے ضمن میں اہل مکہ کو سمجھایا گیا کہ آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کرنا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے، یہ منصب عطا کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو بھی عقیدہ توحید و آخرت دے کے اس وقت کے جابر حکمران فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس وقت آپ کی معاونت آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی شخص بھی آپ کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ اِسی طرح اللہ ربُ العزت نے محمد ﷺ کو انہی اعتقادات و نظریات کا امین بنا کر مشرکین مکہ کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا۔ اس میں واقعاتی مناسبت کے اعتبار سے پیش گوئی کی گئی کہ جیسے فرعون کو انجامِ کار ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، ایسے ہی تمہارا انجام بھی جلد ظاہر ہونے والا ہے۔ نیز سلیم الفطرت انسانوں کو کہا گیا کہ جیسے فرعون کی دعوت پر آئے ہوئے جادوگروں نے حق پہچاننے کے بعد تامل نہ کیا، اسی طرح تم بھی حق ظاہر

ہو جانے کے بعد بلا حیل وحجت ایمان قبول کر لو۔

شرک وبت پرستی کے ذیل میں سامری کے بچھڑے کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ اہل بصیرت کیلئے غور وفکر کا مقام ہے۔ اِسی طرح قصہ آدم علیہ السلام وابلیس کے ذیل میں ابلیس کی سرکشی اور مکر کا ذکر ہے کیونکہ وقتی طور پر شیطانی وطاغوتی طاقتوں کے اثرات بد سے متاثر ہو جانا ایک عارضی کمزوری ہے مگر جوں ہی غلطی کا احساس ہو، آدمیّت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی غلطی کا اقرار کر کے تائب ہو جائے۔

اِس سورۃ میں تعلیمات واخلاق کے ذیل میں ذکر الٰہی، خشیت، ہدایت، عمل صالح، تزکیہ نفس، تسبیح اور اقامتِ صلوٰۃ کا حکم ہے جبکہ جھوٹ، سرکشی، اسراف، دین سے اعراض اور ہر قسم کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

سورۃ کا اختتام صبر واستقامت کی تلقین اور دعوت کا حق ادا کرنے کی نصیحت پر کیا گیا۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰہٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓی ۝ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۝

”طہٰ۔ (اے محمدؐ!) ہم نے آپؐ پر قرآن اِس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں اور یہ نصیحت ہے اس شخص کیلئے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو۔“ (طہٰ:1-3)

قرآن کس لئے ہے؟

یہ قرآن اِس شخص کیلئے تقویٰ کا سب سے بڑا سبب، نشانی اور یاددھانی ہے جو گناہوں سے بچنا چاہے اور جو شخص تقویٰ اختیار ہی نہ کرنا چاہے، اِس کیلئے یہ قرآنِ مجید حجت ہے جو اسے باندھ کر جہنم میں لے جائے گا یہی بات قرآنِ مجید کے آغاز میں بیان ہوئی: **ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ**۔ ”یہ ہدایت ہے مُتَّقِین کیلئے“۔ یعنی اِن لوگوں کیلئے ہدایت ہے جو تقویٰ اختیار کرنا چاہیں۔

مُبلغ کیلئے نصیحت

حضور علیہ کیلئے ارشاد ہے کہ یہ دین ہم نے اِس لئے نازل کیا کہ تم اتمام حُجت کر دو۔ حکمت اور دردمندی کے ساتھ یہ بات لوگوں تک پہنچا دو اور بس۔ لیکن تم تو اپنی جان ہی گھلائے جا رہے ہو اور تم نے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ اس میں دعوت دینے والوں کیلئے بھی ایک سبق ہے کہ وہ مسلسل کام کرتے رہیں اور اگر نتائج سامنے نہ بھی آئیں تو ان کو دل گرفتہ ہو کر کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو مار کر مصر سے نکلے۔ شہرِ مدین میں سیدنا شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچے، آٹھ دس سال وہاں قیام کیا، وہاں سے شادی کر کے چلے۔ راستے ہی میں منصب نبوت عطا کیا گیا اور معجزات عطا ہوئے۔ جن میں سے ایک یدِ بیضا کہ آپ ہاتھ اپنے پہلو میں ڈال کر نکالتے تو وہ اتنا روشن اور چمکدار ہو جاتا کہ اندھیرے کا احساس نہ رہتا اور نبی اندھیرے کو دور کرنے کیلئے ہی تشریف لاتے ہیں۔ دوسرا معجزہ یہ کہ ہاتھ میں جو لکڑی تھی، وہ زمین پر پھینکنے سے اژدھا بن جاتی۔ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو ڈر گئے، تو حکم الٰہی ہوا کہ اس اژدھے پر ہاتھ ڈال دیں۔ اژدھے پر ہاتھ ڈالا تو وہ ویسی ہی لکڑی نکلی۔

معجزاتِ موسوی کی رمزی حقیقت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان دو معجزوں میں یہ ایک مخفی اشارہ ہے کہ رسول خدا کے دو بنیادی کام ہوتے ہیں:۔

1۔ یدِ بیضا کی طرح روشنی لے آئیں۔ لوگوں کو جہالت اور ناانصافی کے اندھیروں سے نکال کر علم وعدل کی روشنی میں لے آنا۔

2۔ اپنے دور کے اژدھاؤں پر ہاتھ ڈال کر انہیں بے جان لکڑی بنا دینا اور انسانوں کو ان کے ظلم سے آزاد کروانا۔

فرعونوں کی حقیقت

اژدھے پر ہاتھ ڈالنے کی مشق اس لئے کروائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک بہت

بڑے اژدھے (فرعون) کے پاس بھیجا جارہا تھا اور یہ تربیت دی جارہی تھی کہ اژدھے پر ہاتھ کس طرح ڈالنا ہے۔ یہ فرعون جو دیکھنے میں اژدھا نظر آتا ہے جب اس پر ہاتھ ڈالو گے تو یہ لکڑی ثابت ہوگا اور اشارے کنائے میں یہ بھی بتا دیا کہ یہ فرعون اور امیر وزیر وغیر قسم کے لوگ دیکھنے میں اژدھے سے نظر آتے ہیں لیکن اگر ان پر ہاتھ ڈال دو تو یہ لکڑی کی مانند بے حس اور بے ضرر ہیں۔ آپ کا ساتھ دینے کیلئے سیدنا ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز کر کے دونوں کو حکم دیا گیا:۔

اذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝

''تم اور تمہاری بھائی دونوں میری ان نشانیوں اور معجزات کو لے کر جاؤ اور دیکھو میرے ذکر میں سستی نہ کرنا''۔ (طہٰ: 2-4)

تبلیغ کے ساتھ ذکرِ الٰہی ضروری ہے

دین کی دعوت و تبلیغ اِس وقت اپنا اثر دکھاتی ہے جب اندر ذکر کی گرمی موجود ہو۔ اگر ذکر کی گرمی نہیں تو بات منہ سے نکل کر کان تک پہنچے گی اور ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جائے گی۔ گویا بات بے اثر رہے گی لیکن اگر کچھ بھی ذکر کی گرمی موجود ہو تو۔

از دل خیزد بر دل ریزد

یعنی بات دل سے نکلے گی اور دل پر اثر کرے گی۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ فرعون کے ساتھ ذرا نرم لہجے میں گفتگو کیجئے۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور جدالِ احسن سے کام لیجئے۔ یہ ایک خوبصورت مثال ہمیں فرعون کے دربار میں نظر آتی ہے کہ کس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور کس طرح فرعون کی چال اور اس کے وار کو خطا کر دیتے ہیں۔ ذرا اس انداز کو قرآنی الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ۔ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی۝

”فرعون نے کہا: اے موسیٰؑ تم دونوں کا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی۔ پھر اس کو راستہ بتایا۔ فرعون بولا: وہ نسلیں جو پہلے گزر چکی ہیں، ان کی حالت کیا ہوگی؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان کا حال اللہ ہی جانتا ہے جو نہ بھولتا ہے اور نہ چوکتا ہے“۔ (طٰہٰ:49-52)

فرعون یہ بات جانتا تھا کہ وہ جہنم میں ہیں لیکن وہ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کی زبانی کہلوانا چاہتا تھا تا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہو جائیں۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے حکمت سے کام لیا اور جواب دیا کہ۔

”ان کا تو حال اللہ ہی جانتا ہے جو نہ بولتا ہے نہ چوکتا ہے“۔

معرکہ حق و باطل

اسی خوبصورت اندازِ کلام کا نام تبلیغ کی حکمت ہے اس کلام پر فرعون کچھ ٹپٹایا اور موسیٰ علیہ اسلام نے معجزات کے ذریعہ حق کو مزید واضح کیا۔ جس کو فرعون نے جادو کا نام دے کر اہلِ دربار کو کہا کہ ملک کے نامور جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ مقررہ وقت پر پرہجوم تقریب میں جادوگر مقابلے کیلئے آ پہنچے اور جب مقابلے کا آغاز ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے جو الفاظ فرمائے وہ قرآنِ مجید میں یوں محفوظ ہیں۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی۝
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی۝ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۝
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۝ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ۔ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی۝
فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی۝

”یہ جادوگر بولے، موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا، نہیں پہلے تم ہی پھینکو

یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا تو ہم نے کہا: مت ڈر تو ہی غالب ہے، تو ہی غالب رہے گا اور پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو یہ نگلے جاتا ہے یہ جادوگر جو کچھ بنا کر لائے ہیں، یہ تو جادو کا فریب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا خواہ کسی شان سے بھی آئے۔ آخر کو یہی ہوا۔ سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے اور وہ پکار اُٹھے کہ مان لیا ہم نے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب کو"۔ (طٰہٰ :65-70)

اب اِس مقام پر ذرا غور کیجئے کہ اس مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو ایمان نصیب کر دیا کیونکہ انہیں اپنے علم کی وجہ سے پتا چل گیا تھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے جو کیا ہے، وہ اور کچھ بھی ہو، جادو نہیں ہوسکتا ہے۔

باادب بانصیب

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک بہت خوب بات لکھی ہے کہ جادوگر ہر چند کہ فرعون کے بھیجے ہوئے ایجنٹ تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس انداز سے گفتگو کی، اس میں ادب اور احترام تھا اور اللہ تعالیٰ کو ان کی یہی بات پسند آ گئی۔ مثلاً یہ کہ انہوں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم پہل کریں یا آپ ہی پہل کر لیجئے۔ حالانکہ وہ بغیر پوچھے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے پہلے ادب واحترام کا معاملہ کیا اور یہ سبق ہمارے لئے بھی ہے کہ اللہ والوں کا ادب واحترام کریں کیونکہ یہی تعظیم، ادب اور محبت انسان کو ہدایت تک لے جاتی ہے اور جادوگروں کی ہدایت کا سبب بھی یہی ادب بنا۔

اِس جگہ ایک اور اہم بات قرآنِ مجید بیان کرتا ہے جو اِس دور کی ماڈرن سائیکالوجی نے بھی بتائی کہ جادو سے انسان کے خیالات ماؤف ہو جاتے ہیں اور انسان کے جذبات وخیالات اور دیکھنے کی قوت متاثر ہوتی ہے اور قرآنِ مجید نے بھی یہی بات یوں کہہ دی کہ موسیٰ علیہ السلام کو یوں خیال ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر اِدھر اُدھر بھاگ رہی ہیں۔ یہی اصل حقیقت ہے کہ جادو انسان کی قوت خیال کو متاثر کرتا ہے۔ فی الواقع اس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں

اور پھر قرآنِ مجید جس انداز سے جادو اور جادوگروں کو ذلیل کرتا ہے، اِس سے سخت انداز میں کسی کو ذلیل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً فرمایا جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کسی شان سے آئے، خواہ وہ فرعون کا نمائندہ ہی کیوں نہ ہو۔

دُنیا میں جادوگر کا انجام

میں نے بہت سے اور بڑے بڑے جادو کے تعویذ لکھنے والوں کو دیکھا جن کا دھندا ہی یہی ہے کہ بیٹھ کے ٹونے، ٹوٹکے اور تعویذ لکھتے رہتے ہیں اور پھر ساری زندگی ذلیل رہتے اور بے ایمان ہو کر مرتے ہیں۔ اِسی لئے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا ''**اَلسَّاحِرُ یُقتَلُ وَ لَا یُستتاب**'' (جادوگر کو قتل کر دینا چاہئے اور توبہ کی مہلت نہیں دینی چاہئے)۔ جبکہ مشرک کیلئے توبہ ہے، کافر کیلئے توبہ ہے بلکہ دنیا کے ہر گناہ کیلئے توبہ ہے مگر جادو اتنا بڑا گناہ ہے جس کیلئے توبہ کی مہلت ہی نہیں بلکہ قتل کا حکم ہے لیکن ہماری صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ اخباروں میں محبت اور نفرت کے تعویذ لکھنے والے ''پروفیسروں'' کے اشتہار چھپتے ہیں اور کوئی حکمران یا رعایا میں سے انہیں جوتے مارنے والا نہیں۔ محبت کا تعویذ کیا ہے؟ یہی نا کہ ایک شریف زادی گھر میں بیٹھی ہے۔ اس کو آپ نے تعویذ پلا دیا اور کسی آوارہ و بدمعاش کے ساتھ جادو کے زیرِ اثر اس کو اغوا کروا دیا۔ اِس قدر بڑے جرم کو ہم معاشرے میں برداشت کرتے ہیں اور ان خبیث فطرت لوگوں کو ہم بزرگ اور پہنچا ہوا کہتے ہیں۔ یہ ان کی نہیں ہماری بے غیرتی ہے اور ہمیں ذرا بھر پہچان نہیں کہ یہ اللہ والا ہے یا مجسم شیطان۔ دیکھ لیجئے قرآنِ مجید ان لوگوں کو کس طرح ذلیل و رسوا کر رہا ہے۔

یہ سورۃ ہدایت و موعظت کے ان گنت پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان جادوگروں نے جب ایمان قبول کر لیا تو فرعون نے ان کو عبرت انگیز قتل کی دھمکی دی۔ انہوں نے اس کو بڑی حقارت سے کہا:۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ۔ ''تو جو کر سکتا ہے کر گزر''۔ (طٰہٰ:72)

جادوگروں نے ایمان کی قبولیت کے بعد پوری استقامت کا مظاہرہ کیا۔ پھر انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے فرعون کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ بھی کیا کہ وہ کس کسمپرسی کے عالم میں غرقاب ہوا۔

اللہ کی نصرت انصار اللہ کیلئے

محمد صدیق ڈار توحیدی

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ وہ ہمارے کفر و ایمان اور بغاوت و اطاعت سے بے نیاز ہونے کے باوجود محض اپنی محبت اور رحمت کے غلبہ کی بناء پر انسانوں کیلئے کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتے ہیں۔ اِسی لئے انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر دنیا و آخرت کی حقیقت اور خیر و شر سے آگاہ کرنے اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے کیلئے انبیاء اور رسول بھیجے۔ اِس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے آقا و سردار، سید الانبیاء، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی مخلوق کی محبت سب انسانوں سے بڑھ کر عطا فرمائی اور رحمت اللعالمین کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اللہ کے رسولوں کے جن متبعین نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کی عظیم خدمت سرانجام دی۔ اللہ نے کمال شفقت سے انہیں ''انصار اللہ'' یعنی اللہ کے مددگار کا لقب عطا فرمایا۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کی اُمت کے تمام مومنین کو ''انصار اللہ'' بن جانے کیلئے سورہ الصف کی آخری آیت میں حکم فرمایا۔

یایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ o

''اے ایمان والو تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ بھلا کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں میرے مددگار بنیں۔

حضور سید الانبیا ﷺ چونکہ اللہ کے آخری رسول ہیں اس لئے دین مبین کے نور اور رحمت کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے اور دنیا میں اللہ کی بادشاہت کا نظام قائم کرنے کی سعادت اور اعزاز قیامت تک کیلئے اُمت مسلمہ کو عطا کر دیا گیا۔ اِس مقدس اور عظیم فریضہ کی ادائیگی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو یہ کردار سونپتے ہوئے اِس کے لئے لائحہ عمل بھی عطا فرمایا اور اپنی نصرت کی یقین دہانی بھی کرائی۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آخری آیت میں جو ارشاد فرمایا اِس کا مفہوم اس طرح ہے۔

''اے اہل ایمان دعوت الی اللہ کی اِس راہ میں اس طرح جدوجہد کرنا جیسا کہ اِس منصب کا

تقاضا ہے۔ اس نے تمہیں اس عظیم کام کیلئے چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی ناروا سختی نہیں ڈالی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی طریقہ ہے۔ اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس کتاب میں بھی یہی ہے۔ تا کہ ہدایت کا پیغام پہنچا دینے کے بارے میں میرا رسول ﷺ تم پر گواہی دے اور تم تمام جہان کے لوگوں کے بارے میں گواہی دو۔ پس تم نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینے رہنا اور اللہ کو پختہ یقین کے ساتھ پکڑے رکھنا کیونکہ وہی تمہارا دوست ہے اور وہ کیا ہی خوب دوست کیا ہی خوب مددگار ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اپنی مدد کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم صحیح معنوں میں انصار اللہ بنے رہو۔ جس طرح میرے رسول ﷺ نے کمال محبت انتہائی دلسوزی اور مثالی عزم و ہمت سے میرا دین تم تک پہنچایا اور اپنی زندگی کے نمونہ سے اس کی عملی تشریح دکھلائی تم بھی اس مقدس فریضہ کو پوری ذمہ داری سے نبھاؤ گے تو میں یقیناً تمہاری مدد کروں گا۔ اللہ نے قرآن کریم میں واضح ارشاد فرمایا۔

یایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم

(محمد۔ 7)

''اے اہل ایمان اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا'' جب تک تم اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اس راہ میں صرف کرتے رہو گے تمہیں مدد کے لئے کسی دوسری طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دوسری قوم تمہارے سامنے سر اٹھا سکے گی۔ لیکن اگر تمہاری کسی کوتاہی کی وجہ سے اس نے تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر تمہیں کہیں سے مدد نہ مل سکے گی۔ اس لئے اپنے مقام و منصب کی پاسداری کرتے ہوئے اس جدوجہد میں کمی نہ آنے دینا۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھنا، وہ تمہارے غلبہ کیلئے ظاہری اسباب بھی مہیا کرتا رہے گا۔ چنانچہ سورۃ آل عمران آیت 120 میں فرمایا۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنونo

''اگر اللہ تمہارا مددگار رہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون

ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر توکل رکھیں"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تشریح بھی فرما دی کہ اِس کی مدد کے مستحق لوگ کس قسم کے کردار کے حامل ہوتے ہیں اور زمین پر غالب آ جانے کے بعد وہاں کس قسم کا نظام رائج کرتے ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کیلئے شرائط سماعت فرمائیے۔

وقال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ واتیتم الزکوۃ وامنتم فعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسناo (المائدہ۔12)

"اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے"۔

واینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیزo الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتواالزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامورo

ان آیات مبارکہ کی تشریح وتفسیر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی یقینی طور پر مدد فرمائے گا جو اقامت دین کیلئے اللہ کی مدد کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ اور وہ ایسے لوگوں کو بھی دنیا میں قوت اور غلبہ عطا کرے گا۔ وہ خاص لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں قدرت اور حکومت دیں تو وہ انسانوں کو انسانوں کے جبر واستبداد سے نکالتے اور اللہ کی الوہیت کے نظام میں داخل کر کے اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور وہ ہر اس کام کو جو انسانوں کے بھلے اور فلاح وترقی کیلئے معاون ومدد ہونے کیلئے معروف ہو، رائج کرتے ہیں اور جو امور انسانی معاشرہ کیلئے مضرت رساں اور نقصان دہ ہوں اور ملک میں فتنہ وفساد کا باعث ہوں انہیں قوت بازو سے ختم کر دیتے ہیں۔ اِنکی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اور دوسرے امور کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے"۔

برادرانِ سلسلہ عالیہ توحیدیہ! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے تو بلاشک وشبہ سچے ہیں اور وہ کبھی بھی اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ اس لئے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے اور اپنی زندگیوں کو اس راہ پر ڈالنا چاہئے جو ہمیں اللہ کی تائید ونصرت کا

مستحق بنادے۔ وہ راہ اس کے سوااور کوئی نہیں کہ ہم مسلمان قرآن کے احکام پرعمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کے حبیب ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال لیں اور اللہ کے بھروسہ پر دعوت الی اللہ کا فریضہ ایک بار پھر سنبھال کر شہداء علی الناس بن جائیں۔ ہم اللہ کے ہو جائیں تو یقیناً اللہ ہمارا ہو جائے گا اور ہماری مدد فرمائے گا۔

اصلاح احوال کیلئے ایک اہم حقیقت جو اظہر من الشمس ہے اور ہمیں پیش نظر رکھنی چاہئے کہ قرون اولیٰ میں صحابہ کرامؓ کی جس مقدس جماعت نے تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے تھے انہوں نے کسی روایتی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ نہ ہی وہ لوگ اللہ کی کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب سے آشنا تھے۔ ان کی تمام تر اہلیت اور فضیلت حضور نبی کریم ﷺ کی انقلاب آفریں صحبت اور کیمیا اثر نظر کی مرہون منت تھی۔ جن کی مجلس میں الفاظ نہیں سکھائے جاتے تھے بلکہ انسان بنائے جاتے تھے۔ بقول حکیم الامتؒ۔

صحبت از علم کتابی خوشتر است
صحبت مردان حر آدم گر است

حضور رحمت اللعالمین ﷺ کے فیضان کی برکت سے ان سابقون الاولون کی شخصیتیں اپنے اپنے کمال کو پہنچ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی جوہر جس فرد کو عطا کر رکھا تھا وہ سراج منیر ﷺ کے نور سے نکھر کر اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یہ انسانی تاریخ میں ایک بے مثال روحانی انقلاب تھا اور اس کی بدولت قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے تہذیب وتمدن اور فتوحات کی نئی تاریخ رقم کی جس کی مثال دنیا کی کوئی دوسری قوم پیش نہیں کرسکتی۔ مسلمانوں نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں قیصر وکسریٰ جیسی دو عظیم طاقتوں کا غرور خاک میں ملا کر باقی دنیا پر اپنی سیادت قائم کرلی۔ اب میں امام مالکؒ کا ایک قول خاص طور پر آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ "جس طریقہ سے اول دور میں اُمت کی اصلاح ہوئی تھی۔ آخری دور میں بھی اسی طریقہ سے ہوگی"۔ اس لئے اُمت کی اصلاح کیلئے جہاں کئی دوسرے طریقے اور علاج آزمائے جاچکے ہیں وہاں فیضان صحبت اور روحانی قوت کے اثر سے اصلاح کرنے کا فقیری نسخہ بھی ضرور آزمانا چاہئے۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے اس عظیم روحانی تجربہ کو آگے بڑھانے کیلئے

ہم سب کو عزم و ہمت اور ایثار خلوص سے کام لینا ہوگا اسی طرح وہ مقاصد حاصل ہوسکیں گے جن کی خاطر اِس نئے سلسلہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر بانی سلسلہ توحیدیہؒ کے ایک اہم خطبے کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ ان کا پیغام صاف اور واضح الفاظ میں آپ تک پہنچ جائے۔ آپؒ نے ملتان میں منعقد ہونے والے گیارہویں سالانہ اجتماع میں فرمایا۔

''حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے زمانے میں معاشرہ کی اصلاح کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے خاموشی سے ایک جماعت اولیاء اللہ کی تیار کی اور پھر اس جماعت کے افراد کو امراء اور وزراء کے پاس بھیج کر ان کی اصلاح کرائی جس کا فائدہ تاریخ کے صفحات سے آج بھی ثابت ہے۔ میں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا۔ 1950ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔ اب جبکہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاء کی تعداد کافی ہوگئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات و امصار میں پھیل جائے اور دیہات کے لوگوں کی مذہبی، اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے۔ اِس میں یہ مشکل درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں۔ اس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔ یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً یہ کام شروع کر دینا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت کا نور پھیلائیں۔ اس طرح سے جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ لوگ اس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے۔ دنیا ہماری منتظر ہے۔ شراب توحید و ولایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوس بیٹھے ہیں۔ اس لئے اے میرے دوستو! اب آپ بلا تاخیر یہ کام شروع کر دیں۔ اس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور نیک کام نہیں۔ کیا عجب ہے کہ رب کریم نے یہ سعادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں۔ ان کو نہ صرف مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ قرآن کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیائے اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔ اُمید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے۔ گو چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے''۔ (چراغ راہ آٹھواں خطبہ)

قرآن کریم کی حیرت انگیز پیشنگوئیاں

اٹامک سائنٹسٹ، انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

قرآن کریم خالق کائنات کی کتاب ہے جسکے لئے ماضی، حال اور مستقبل برابر ہیں۔ اِس لئے اس میں پیشنگوئیوں کا ہونا لازمی امر ہے۔ قیامت، حیات بعد الموت اور جزا، سزا، جنت، جہنم کے متعلق جتنی تفصیلات آئی ہیں وہ سب مستقبل ہی کا بتاتی ہیں۔ جہاں تک عالم شہادت کے متعلق پیشنگوئیوں کا تعلق ہے وہ بھی کلام پاک میں کم نہیں جو اس کے منجانب اللہ ہونے کا زندہ معجزہ ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہم انہی میں سے کچھ کا ذکر کر رہے ہیں۔

1۔ کلام پاک کی حفاظت کے متعلق پیشنگوئی

کلام پاک جب نازل ہو رہا تھا اِس زمانہ میں عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ کتاب نام کی کوئی چیز نہیں تھی، شعراء وغیرہ کا کلام جہاں تک ممکن ہوا لوگ زبانی یاد رکھتے تھے وہ بھی وقت کے ساتھ ذہنوں سے مفقود ہو جاتا۔ حتیٰ کہ مذاہب عالم کی مقدس کتابیں بھی وقت کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہی ہیں۔ اکثر تو وہ زبان جن میں یہ نازل ہوئی تھیں وہ بھی ختم ہو گئی ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں آسمانوں کی طرف اُٹھائے جانے میں صرف 2000 سال ہوئے ہیں ان کے خطبات ناپید ہیں۔ ان کی تالیف کردہ انجیل کہیں نہیں اور جو کچھ باقی ہے وہ ان کے پیروکاروں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں۔ وہ بھی صرف ترجموں میں۔ اصل زبان جس میں یہ لکھی گئی تھی اب باقی نہیں رہی۔ باقی مذاہب کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس پس منظر میں قرآن حکیم ایک اعلان کرتا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

ہم ہی اِس پیغام کو نازل کرنے والے ہیں اور اِسکی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی ہے۔

(سورۃ الحجر، آیت 9)

یہ ایک بہت بڑی پیشنگوئی تھی۔ وقت قرآن کریم کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکا بلکہ اس سے عربی زبان کو دوام مل گیا ہے۔ قرآن کریم کے غیر مسلم ناقدین کے نزدیک بھی قرآن حکیم اپنے حروف، الفاظ، آیات، سورتوں کی ترتیب غرض ہر لحاظ سے بالکل وہی ہے جو دنیا کو حضرت محمد ﷺ نے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اِسکی حفاظت کو قلم، کاغذ اور پرنٹنگ کے سپرد کرنے کی بجائے یہ کام لوگوں کے

دلوں کو سونپ دیا اور اِسے یاد رکھنا اتنا آسان بنا دیا کہ چھ سات سال کی عمر کے بچوں کو بھی قرآن کریم زبانی یاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج بھی دنیا میں لاکھوں لوگ قرآن کریم کے حافظ ہیں۔ مطلب یہ کہ جب تک دنیا میں انسان باقی ہیں قرآن باقی ہے۔

یہ قرآن پاک کا زندہ معجزہ ہے کہ کٹر سے کٹر مخالفین بھی اسکی صحت پر انگلی نہیں اُٹھا سکتے۔ لیکن ان کے بیانات میں کچھ خبث باطن ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب تک کوئی آدمی پوری طرح اسلام میں داخل نہ ہو جائے اس کا تعصب ختم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہاں چند ایسے ہی لوگوں کے تاثرات دیئے جا رہے ہیں۔

ہیری گیلارڈ ڈارمن اپنی کتاب (Towards Understanding Islam) میں کہتا ہے ''قرآن پاک کے بیانات جو مسلمانوں کے پیغمبر محمد ﷺ پر اللہ نے وحی (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے نازل کئے وہ اپنے معنی میں ہر زمانے کیلئے پکے معجزات کی طرح ہیں''۔

فرانسیسی مصنف لوراویسیا والرا اپنی کتاب Apologie De-Islamism کے صفحہ 59-57 میں کہتی ہے ''قرآن پاک کے کتاب قدسی ہونے کا یہی ایک ثبوت کافی ہے کہ زمانہ اس میں زیر وزبر کا تغیر نہ لا سکا''۔

انگریز پروفیسر اے۔جی ایبرے جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا ہے، نے یہ دلیل پیش کی، ''کہ اہل مغرب کے دلوں میں قرآن پاک کے سلسلہ میں جو غلط فہمیاں ہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس صحیح قسم کے تراجم نہ پہنچے اور مغرب کے سکالروں کو صحیح طور پر کسی نے یہ نہ سمجھایا کہ وہ قرآن پاک کو سمجھنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کریں۔ وہ جس طرح تورات یا انجیل کو پڑھتے ہیں یہ طریقہ قرآن پاک کو سمجھنے میں مددگار نہیں ہو سکتا''۔

ایف ایف آر تھناٹ کہتا ہے ''قرآن پاک کے ساتھ مشابہت رکھنے والے کئی صحیفے تیار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس میں کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ ظاہر ہے قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیت مبارکہ ۲۳ میں ارشاد ربانی ہے ''اے لوگو! اگر تم اس پر شک کرتے ہو جو میں نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر نازل کیا تو پھر اس قسم کی ایک سورۃ بنا ڈالو اگر تم سچے ہو''۔

یہ صرف چند اقتباسات ہیں ورنہ مشرق و مغرب کے بے شمار ایسے دانشور ہیں جنہوں نے

اگرچہ قرآن حکیم پر سرسری اور غیر مسلم تعصب کی نگاہ سے غور کیا ہے پھر بھی وہ اس کی سچائی اور عظمت کے قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

2۔ کلام اللہ کے مضامین کے متعلق پیشگوئی

علم ایک ارتقائی چیز ہے اس لئے ہر کتاب کے مضامین وقت کے ساتھ ساتھ اپنی افادیت کھو دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ سائنس دریافتیں بھی بدلتی رہتی ہیں ناقدین نئے نئے نکات اُٹھاتے ہیں اور پرانی باتوں کو نئے حقائق کے ساتھ رد کرتے جاتے ہیں۔ اِس لئے کبھی نہیں ہوا کہ کوئی دانشور، مصنف سائنسدان، اپنی بات کو شک وشبہ سے بالاتر قرار دے۔ لیکن کلام پاک کے آغاز ہی میں ایک عجیب وغریب اور حیران کن دعویٰ ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ صلے فِيْهِ ۚ

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں"۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲)

اس طرح کا دعویٰ کوئی بڑے سے بڑا دماغ اپنی کسی ایک بات پر بھی نہیں کرسکتا۔ اگر کسی نے کیا تو جلد ہی لوگوں نے اِسے جھوٹا ثابت کر دیا۔ لیکن قرآن پاک تو ایسی کتاب ہے جسکے ہر صفحہ پر نئے نئے مضامین بیان کئے گئے ہیں زندگی کا کوئی مسئلہ چھوڑا ہی نہیں گیا۔ آسمانوں سے زمین تک کی بات ہوئی ہے۔ تاریخ، جغرافیہ، معاشرتی علوم، سائنسی علوم، کائناتی علوم، حیوانی علوم، نباتاتی علوم، انسانی علوم، روحانی علوم، کونسا وہ علم ہے جس پر قرآن نے اظہار خیال نہ کیا ہو اور وہ بھی چودہ سو سال پہلے عرب جیسے ملک میں جو اپنے زمانہ کی تہذیبوں سے بھی علیحدہ ایک تاریک جزیرہ نما تھا۔ سوچیے کہ اس جیسے ملک میں جو اپنے زمانہ کی تہذیبوں سے بھی علیحدہ ایک تاریک جزیرہ نما تھا۔ سوچیے کہ اس جیسے ملک میں چودہ صدیاں پہلے ایک شخص ایک کتاب لکھتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اِسکے مضامین شک وشبہ سے بالاتر ہیں اس کا یہ دعویٰ سچ ہوسکتا ہے؟ اِس وقت سے آج تک مخالفین اسلام قرآن کے اس دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن کلام اللہ کی کسی ایک بات کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکے بلکہ جدید ترین سائنسی دریافتیں اِسکی موافقت میں ہو رہی ہیں۔ فرانس کا محقق "ڈاکٹر مارس بوکائیلے" ایک عرصہ کی تحقیق کے بعد اپنی مشہور کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "میں قرآن میں

ایسی کوئی بات نہیں پا سکا ہوں جو سائنس نہ مانتی ہو"۔ آپ کا یہ مصنف خود بھی طویل عرصہ پر پھیلی ہوئی اپنی تحقیقات سے اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کسی طرح کی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ "جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کریم کی ابتداء ہے" چنانچہ کلام پاک کی یہ پیشگوئی کہ یہ کتاب شک و شبہ سے بالاتر ہے، ایک زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک عقل سلیم والوں کیلئے ایمان لانے کیلئے کافی ہونا چاہیے۔

3۔ کسی طرح کی پروف ریڈنگ کی ضرورت نہیں تھی

کلام اللہ کی ایک عجیب خوبی یہ ہے کہ اسکا پہلا اور آخری مسودہ ایک ہی تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ "یہ وحی ہے کائنات کے رب کی طرف سے"۔ اِس لئے اس میں کسی طرح کی پروف ریڈنگ کی ضرورت نہیں جو کچھ نبی پاک ﷺ کے اوپر نازل ہوتا وہ اِسی وقت آپ ﷺ کے مبارک قلب پر ثبت ہو جاتا جو بذات خود ایک معجزہ تھا۔ شروع شروع میں بشری تقاضوں کے مطابق نبی پاک ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں چنانچہ آپ جبرائیل علیہ السلام کے پیچھے پیچھے کلام پاک کو یاد رکھنے کیلئے بار بار پڑھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ یہ ہمارا کلام ہے، اِسے یاد رکھوانا اور اسکا جمع کروانا بھی ہمارا کام ہے۔ فرمایا: **لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○** (اے نبی) اپنی زبان کو قرآن یاد رکھنے، کیلئے (بلاضرورت) مت ہلاؤ جلدی نہ کرو، اِسکا جمع کرانا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے، اور جب ہم اِسے پڑھا چکے ہوں تو اس پڑھے کا اتباع کرو۔ اِسکی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔ (سورۃ القیمۃ ۱۹۔۱۶)

چنانچہ جو حصہ اُترتا وہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر ثبت ہو جاتا اور آپ ﷺ جبرائیل امین علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق کاتبانِ وحی کو یہ بتا دیتے کہ یہ آیت مبارکہ فلاں سورۃ، فلاں آیت کے بعد یا پہلے لکھ لو۔ یعنی کلام پاک جیسے جیسے نازل ہوتا ویسے ہی کتابی شکل میں ترتیب بھی پایا گیا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ جو کچھ پہلی دفعہ کہا گیا وہی حتمی بات تھی۔ بڑے سے بڑے ماہرین مصنفین کی تحریروں کے مسودے دیکھ لیں کئی بار کی کاٹ چھانٹ نظر آئے گی۔ مصنف کے علاوہ دیگر حضرات بھی پروف ریڈنگ کرتے ہیں پھر بھی کتاب میں کئی غلطیاں رہ

جاتی ہیں۔لیکن کلام پاک کا یہ زندہ معجزہ ہے کہ یہ واحد وہ کتاب ہے جو کسی پروف ریڈنگ کے بغیر ہی ترتیب دے دی گئی ، ایک دفعہ جو نبی پاک کی مقدس زبان مبارک ﷺ سے فرما دیا گیا وہی آخری اور فائنل کلام تھا۔ایک لفظ بھی بدلنے کی ضرورت نہیں پڑی حالانکہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کی دنیا بھر میں کہیں بھی کوئی مثال نہیں اور قرآن کریم کی سچائی پر ایمان لانے کیلئے کافی دلیل ہے۔

4۔ قیامت تک کیلئے ادبی چیلنج

اِس بات کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ عرب اپنی زبان گوئی ،شاعری اور قادر الکلامی پر فخر کرتے تھے۔حج کے موقع پر تمام عرب سے قادر کلام لوگ جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے کلام کی داد دیتے ، ملک الشعراء کا انتخاب بھی وہیں ہوتا۔جب قرآن پاک اُترا تو نہ صرف اس کے مضامین بلکہ انداز بیان بھی ان کیلئے حیران کن تھا۔مختلف وجوہ سے عربوں کی اکثریت اسلام کی مخالفت پر اُتر آئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ کلام اللہ نہیں بلکہ محمد ﷺ خود بناتا ہے یا کسی سے لکھواتا ہے۔اِس شدید مخالفت کے دور میں قرآن کریم دنیا بھر کے لوگوں کو تا قیامت ایک چیلنج کا اعلان کرتا ہے۔ **وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ‌ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝** ’’اگر تمہیں اس کلام میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے مددگار ماسوائے اللہ کے۔اگر تم سچے ہو۔ (سورۃ البقرہ۔آیت مبارکہ ۲۳)

بظاہر اِس چیلنج کا مقابلہ کوئی مشکل بات نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اہل ادب وفن نے جب مقابلہ کا سوچا تو انہیں پتہ چلا کہ قرآن اپنی پیشگوئی میں سچا ہے اور ہم اِس جیسی ایک سورۃ تو کیا ایک حصہ بھی اِسکے مقابلہ میں نہیں لا سکتے۔ چنانچہ عرب کے اس وقت کے ملک الشعراء جن کا نام لبید تھا، کو کعبہ میں لٹکائی گئی سورۃ کوثر کے نیچے لکھنا پڑا۔’’**ماھذا کلام البشر**‘‘ یہ تو اس وقت کی بات تھی لیکن ہمارے زمانہ میں کلام پاک میں جو حسابی نظام دریافت ہوا ہے اِسکے بعد تو آج کا بڑے سے بڑا سائنسدان، حسابداں اور ماہر زبان اگر وہ نِرا ڈھیٹ نہیں،تو ماسوائے یہ کہ کلام اللہ کی عظمت کے سامنے اپنا سر نگوں کر دے اسکے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

5۔ کامیابی کی حتمی پیشنگوئی

قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا اور عربوں کی مخالفت بھی شدت اختیار کرتی جاتی تھی۔ جس مسلمان پر بھی بس چلتا کفار اِسے سخت سے سخت سزا دیتے تا کہ ڈر کر وہ واپس اپنے پرانے دین پر آ جائے لیکن یہ حربہ کسی ایک پر بھی کامیاب نہ ہوا۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ظلم سے بچنے کیلئے ان میں سے نسبتاً ایک بڑی جماعت حبشہ ہجرت کر گئی۔ خود نبی پاک ﷺ کی ذات پاک کو سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ کھل کر تبلیغ کا عمل رُک رہا تھا۔ آخر کار مسلمان مکہ کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ بظاہر کامیابی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ تعداد بھی کم، وسائل بھی کم اور جو مسلمان ہوئے ہیں ان میں بھی بعض منافقین ہیں جو اندر سے اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اِن انتہائی مایوس کن حالات میں پیشگوئی اُترتی ہے۔

''تم ہی کامیاب ہو گے اگر تم مومن ہو'' (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۹)

مخالفین مذاق اُڑاتے ہیں کہ یہ لوگ مدینہ شہر کی حدود سے باہر قضائے حاجت کے لئے تو جا نہیں سکتے لیکن قیصر و کسریٰ پر غلبہ کی باتیں کرتے ہیں۔ پھر دنیا نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا۔ حالات تیزی سے بدلتے ہیں۔ ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔ دنیا جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور مسلمان قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے انتقال کے صرف 23 سال بعد وہ اپنے وقت کی سپر پاور ہوتے ہیں۔ یوں کلام اللہ کی یہ پیشنگوئی آج بھی تاریخ دانوں کیلئے حیران کن ہے اور اسلام کے دشمنوں کو خوف زدہ کر رہی ہے کہ اگر دوبارہ یہ لوگ قرآن پاک پر آ گئے تو پھر دنیا ان کے قدموں کے نیچے ہوگی۔ (اِنشاءاللہ)۔

6۔ رومیوں اور مسلمانوں کی فتح کی پیشنگوئی

اب ہم قرآن کریم کی اس پیشنگوئی کا ذکر کریں گے جس پر مسلمانوں اور کفار کے درمیان شرط لگ گئی تھی۔ سورۃ الروم کی آیات مبارکہ ا تا ۴ میں اس پیشنگوئی کا ذکر ہے۔

الٓمّٓ o غُلِبَتِ الرُّوْمُ o فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ

سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

''ا۔ل۔م کہ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن اپنے مغلوب ہونے کے چند سال کے اندر وہ پھر غالب آ جائیں گے اور وہ دن ہو گا جب اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے''۔ (سورہ الروم۔ آیات نمبر ا تا ۴)

سورۃ الروم مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان انتہائی کمزور حالات میں تھے کافی زیادہ صحابہ کرامؓ ابے سینیا میں ہجرت کر گئے تھے۔ اور باقی ہجرت مدینہ کی تیاری کر رہے تھے اس وقت مسلمانوں کی فتح کی بات پر کوئی یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ دوسری طرف ایران کا خسرو پرویز جس طرح ہرقل قیصر روم کو شکست سے دوچار کر رہا تھا وہ بھی حیران کن فتوحات تھیں اور روم کے غالب آنے کے کوئی آثار نظر نہ آ رہے تھے۔ 613 عیسوی میں ایرانیوں نے دمشق کو فتح کر لیا تھا اور 614 عیسوی میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے وہاں 90 ہزار عیسائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ 615 عیسوی میں مسلمانوں نے ابے سینا میں ہجرت کی اور انہی دنوں میں سورہ الروم نازل ہوئی۔ کفار مکہ نے اِس کا خوب مذاق اُڑایا۔ ابی بن خلف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ 10 اونٹوں کی شرط لگانا چاہتا تھا کہ اگر تین سالوں میں یہ پیشنگوئی پوری ہوئی تو جیتنے والے کو دس اونٹ ملیں گے۔ جناب ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں اہل روم کے ساتھ تھیں۔ اس وقت تک شرط لگانا حرام قرار نہ پایا تھا حضور پاک ﷺ نے جناب ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ شرط پوری ہونے کی میعاد دس سال کر دی جائے اور اونٹوں کی تعداد ایک سینکڑہ کر دی جائے اس طرح یہ شرط باندھ لی گئی۔

لیکن اہل روم کے خلاف حالات اور خراب ہوتے گئے 619 عیسوی میں ایرانیوں نے پورے مصر پر قبضہ کر لیا۔ 617 عیسوی میں ایرانی باسفورس تک یعنی قسطنطیہ (موجودہ استنبول) کے نزدیک تک پہنچ گئے تھے اور قیصر روم عاجزی سے صلح کی درخواستیں کر رہا تھا۔ لیکن خسرو پرویز یہ گزارشات رد کر رہا تھا کہ صلح تب ہو سکتی ہے کہ قیصر روم ''خدائے مصلوب'' کو چھوڑ کر ''خداوندہ آتش'' کی بندگی اختیار کر لے۔ لیکن 622 عیسوی میں جب حضور پاک

ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو قیصر روم بھی چپکے سے آرمینیا والے راستے 623 میں آذر بائیجان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ 624 عیسوی میں اس نے زرتشت کے مقام پیدائش ارمیاہ کو تباہ کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہ اِسی سال کی بات ہے۔ جس میں سال بدر کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح عطا کی۔ یوں 9 سال کے اندر دونوں پیشنگوئیاں پوری ہو گئیں۔ 627 عیسوی میں ہرقل کے لشکر ایرانی دارالسلطنت مدائن کے سامنے پہنچ گئے اور کسریٰ ایران خسرو پرویز کو مجبوراً قیصر روم کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔ یہ وہی سال تھا کہ مسلمانوں نے کفار مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا۔ جس کو سورۃ الفتح میں ''فتح مبین'' قرار دیا گیا۔

☆ سائنسی علوم میں ترقی کے متعلق پیشنگوئیاں

مندرجہ ذیل میں ہم کلام اللہ کی ان سائنسی پیشنگوئیوں کا ذکر کریں گے جن کو آج ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ آج سے صرف ایک سو سال پہلے تک ان پیشنگوئیوں کو سمجھنا مشکل تھا۔

1) علم کی کوئی حد نہیں

جس زمانہ میں کلام اللہ نازل ہو رہا تھا اس وقت انسان کا اپنے اور کائنات کے بارے میں علم محدود تھا۔ اِس کی دنیا انتہائی مختصر تھی۔ اِس کے بعد علم مسلسل ترقی کرتا جاتا ہے۔ لیکن ہر دور کے لوگوں نے یہی سوچا کہ وہ علم کی آخری منزل پا چکے ہیں۔ زیادہ دور کیا جانا 1904ء میں آئن سٹائن کی مشہور تھیوری ریلٹیوٹی (Theory of Relativity) سے صرف ایک سال پہلے انگلینڈ کے کچھ بڑے سائنسدانوں کا دعویٰ تھا کہ جو کچھ انسان نے معلوم کرنا تھا وہ سب معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے اندر یہ دعویٰ 1400ء سال سے موجود تھا کہ ''اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور سارے درخت قلم تو لکھتے لکھتے یہ سب ختم ہو جائیں گے بلکہ مزید اتنے ہی اور لے آؤ پھر بھی آپ کے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی''۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

اور اگر یوں کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام

پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر مزید ہوں (سیاہی ہو جائیں) تو بھی اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں لکھتے لکھتے) ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(سورۃ لقمان، آیت ۲۷)

یہ ایک زبردست حیران کن دعویٰ ہے۔ اِس کی بناء پر ہم مستقبل کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ علم ابھی بہت ترقی کرے گا۔

2) عظیم صنعتی دور کے متعلق پیشنگوئی

ایک بڑی اہم اور نمایاں پیشنگوئی جو قرآن حکیم آخری زمانہ کے متعلق دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت کرہ ارض کے لوگ بہت اونچے پایہ کی تکنیکی مہارتیں حاصل کر چکے ہونگے اور یہ ایک عظیم صنعتی اور سائنسی دور ہوگا۔ ایسے لگے گا جیسے اب انسان سب کچھ کرنے کے قابل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

حَتّٰیۤ اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْنَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○

یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ اب ہم اس پر قادر ہو گئے ہیں۔ تو اس پر ہمارا حکم ہوا رات میں یا دن میں، تو ہم نے اِسے ملیا میٹ کر دیا گویا کہ وہ کل تھی ہی نہیں۔ ایسے ہی ہم اپنی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں، غور اور فکر کرنے والوں کیلئے○ (سورہ یونس۔ آیت ۲۴)

جرمن نژاد نو مسلم مرحوم محمد اسد اس آیت مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں لوگوں کو اس غلط فہمی پر یقین ہوگا کہ انہوں نے قدرت پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور جو وہ چاہیں کر سکتے ہیں حالانکہ وہ اس حد تک نہ پہنچ پائے ہونگے۔ اس بودی سوچ کے تحت انسان یہ سوچے گا کہ اس نے اپنی مہارت اور صنعت کے زور سے اس کی زینت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس کو بڑا زعم ہوگا کہ وہ اپنی طاقت، عقل، سائنس اور صنعت کی مدد سے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اصل میں وہ اپنی تباہی کی طرف جا رہا ہوگا۔

بہر حال بیسویں صدی کی صنعتی اور سائنسی ترقی اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے اور مزید ترقی کے بھی امکان نظر آتے ہیں۔ خشکی ہو یا تری پہاڑ ہو یا غار کوئی ایسا خطہ نہیں رہ گیا جو انسان کی دسترس سے اب باہر ہو۔ دریاؤں کے رُخ موڑ دیئے ہیں سمندروں کے آگے بند باندھ دیئے ہیں۔ یوں لگتا ہے انسان نے دنیا کو مسخر کرلیا ہے۔ اب تو اس نے ماحول کنٹرول کرنا شروع کر دیا ہے اپنی مرضی سے بارش برسالیتا ہے اور زمین کے ذرائع کا بھرپور استعمال کر رہا ہے، ریگستانوں کو باغات میں تبدیل کر رہا ہے اور دور دراز علاقوں کو خوبصورت قطعات میں تبدیل کر رہا ہے، اوپر کی فضاء میں اسکی پہنچ ہے چاند پر اُترنے کے بعد اسکو آباد کرنے کی تگ و دو جاری ہے۔ زمین کے لاکھوں میل اوپر اِسکے سیٹلائٹ چکر لگا رہے ہیں مواصلات کی ترقیوں سے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ فضاء میں جزیرے قائم کیے جا رہے ہیں۔ ایک عام آدمی کو آج جو کچھ میسر ہے وہ پہلے بادشاہوں کو بھی میسر نہیں تھا۔

یوں پچھلی چند صدیوں میں انسان نے اتنی صنعتی ترقی کر لی ہے جو پچھلے ہزاروں سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ اِس کے ساتھ ساتھ انسان نے اپنی تباہی کے بھی اتنے ذرائع جمع کر لئے ہیں کہ اِسکے ایٹم بم زمین کو کئی بار تباہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ طوفانی ترقی بڑی معنی خیز ہے اور اس کے بعد کیا ہونے والا ہے اس سے بھی زیادہ قابل غور ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات میں جہاں اس دور کی پیش گوئی اور اس حیرت انگیز ترقی کی خبر دی گئی ہے وہاں اس کمال کے بعد زبردست زوال کی بھی پیش گوئی کر دی گئی ہے۔ چاہیے کہ انسان ان نعمتوں پر اپنے رب کا بہت شکر ادا کرے اور اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی معافی مانگتا رہے تا کہ آنے والے عذاب سے بچ جائے۔ جو شاید انسان کے اپنے ہاتھوں ہی ہو۔

3) عظیم فضائی دور

ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں ایک اور اہم انکشاف یہ ہے کہ آخری دور میں کرہ ارض کے لوگ آسمانوں میں دور دراز تک سفر کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور اتنی مہارت پیدا کر لیں گے کہ وہ دوسری دنیاؤں میں اپنی نو آبادیات بنانے کی تگ و دو میں ہونگے۔ جو لوگ استطاعت رکھیں گے وہ زمین کو چھوڑ کر کائنات کے دوسرے حصوں میں

جانے کی تیاری کریں گے۔ ان حالات کی پیش بنی سورۃ الرحمٰن کی درج ذیل آیات مبارکہ میں کی گئی ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا۔ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ۔ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۞

اے گروہ جن وانس! اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ (اس نے یہ صلاحیت تمہیں دی ہے لیکن جدھر بھی جاؤ گے ہر گہ اسی کی بادشاہت ہے) لیکن تم طاقت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے ۞ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۞ (جب تم زمین سے باہر خلائی دنیاؤں میں پناہ کیلئے جاؤ گے تو) تم پر آگ کے انگارے بھیجے جائیں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کی مانند مادہ پھینکا جائے گا، پھر تم اس سے بچ نہ سکو گے ۞ (سورہ الرحمٰن ۳۳-۳۵)

سورۃ الرحمٰن کی آیت مبارکہ ۳۵ بتاتی ہے کہ اس شاندار خلائی ٹیکنالوجی پر دسترس کے باوجود انسان تلخیوں سے نہ بچ سکے گا۔ زمین پر خطرات کے پیش نظر جب وہ زمین وآسمان کی حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا تو آگ اور تابکار شعلے اس کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک قرآن کریم کی ان پیشگوئیوں کا ادراک مشکل تھا لیکن بیسویں صدی کے آخری نصف حصہ میں خلاء کی تسخیر کے سلسلے میں ہونے والی حیرت انگیز ترقی دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہونے والی ہے۔ چاند بیچارے کی حیثیت تو اب دوسرے محلے کی سی ہے۔ انسان اس سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ آج کل زمین سے لاکھوں میل اوپر امریکہ کی طرف سے ایک خلائی جزیرہ (Space Station) بنانے کے منصوبہ پر کام ہو رہا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ زمین سے اوپر اسکے مالکوں کی پناہ گاہ بھی اور کمین گاہ بھی ہو جہاں سے وہ آسانی سے اوپر نیچے آجا سکیں۔ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات میں یہ آشکارا کیا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں انسان فضاء پر نو آبادیاں قائم کرے گا۔ بعض اقوام کی یہ فضائی کامیابی ان کی خلائی جنگوں کیلئے بھی ایک اہم پلیٹ فارم ہوگا۔ ان نو آبادیوں کے مالک وہاں سے زمین پر

حکومت کے خواب دیکھ رہے ہونگے۔ لیکن ان کی ساری چالیں مشیت الٰہی کے سامنے بے بس ہوں گی۔

جہاں تک فضائی تابکاری اور شعاؤں کا تعلق ہے خلائی مسافر کو ہر وقت انکا خطرہ رہتا ہے۔ سورج سے چھوٹنے والے آگ کے طوفانی گولے بھی ایک مسلسل خطرہ ہیں اس کے علاوہ سورج کے مدار میں اربوں کے قریب چھوٹے چھوٹے شہاب ہیں جو انسانی سیٹلائٹ اور فضائی مشینوں اور گاڑیوں کو ٹکرا کر تباہ کر سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے خلا کے اندر مزید دور جانے پر یہ خطرات بڑھتے ہی جائیں گے۔

4) عظیم سائنسی دور

اوپر دی گئی آیات مبارکہ حیرت انگیز صنعتی ترقیوں کے بارے میں پیشنگوئیاں ہیں۔ جن کا آج سے چودہ سو سال پہلے تصور بھی ناممکن تھا۔ صنعتی ترقیوں کے ساتھ ساتھ انسان کے آخری دور میں قرآن حکیم اس کی بے مثال سائنسی ترقی کی بھی پیشنگوئی کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں سورۃ حم سجدہ کی آیت مبارکہ ۵۳ اِنتہائی قابل غور ہے۔ جس میں بتایا گیا کہ اس وقت تک انسان خصوصی طور پر کائنات اور اپنی تخلیق کے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہوگا۔

ارشادِ ربانی ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ٥

پس ہم انہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کی ذات میں، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ یقیناً وہ (قرآن) حق ہے۔ کیا آپکے رب کا ہر چیز پر متصرف ہونا کافی نہیں بے شک تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہے٥۔ (سورہ حم سجدہ۔ آیت ۵۳)

ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا اس وقت آفاق اور انفاس کے بارے میں انسانی علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ آج جو معلومات ہمیں حاصل ہیں انکا تصور بھی ناممکن تھا بلکہ اس وقت انسانیت نہایت مہمل لغویات اور توہمات میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس وقت قرآن

پاک کا یہ اعلان کہ ''عنقریب ہم انسان پر آفاق اور ان کے نفوس کے راز ظاہر کر دیں گے'' ایک عجیب پیشنگوئی تھی۔ آج چودہ صدیوں بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیسے پوری ہو رہی ہے۔ تمام سائنس اس قرآنی آیت کی تفسیر بن کر سامنے آ رہی ہے۔ ان چودہ صدیوں میں انسان نے ایک طرف زمین سے دور آسمان کی لامتناہی وسعتوں کا کھوج لگایا ہے (Cosmis Understanding) اور دوسری طرف اپنے نفس کے اندر کی دنیا میں جو جھانکا ہے۔ (Biological Discoveries) یہ سب دریافتیں حیران کن ہیں۔ فضائی سائنس، حیاتیاتی سائنس اور طبعی سائنس میں جو مزید دریافتیں ہو رہی ہیں وہ انسان کو آہستہ آہستہ حقیقت کے قریب لا رہی ہیں۔ جیسے آیہ مبارکہ میں کہا گیا ہے یہ سب اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ انسان پر جلدی قرآن پاک کی سچائی واضح ہو جائے گی۔ (انشاءاللہ)

☆ اہم ترین سبق

مادی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سائنسی ترقیاں انسانی عقل کیلئے خراج تحسین ہیں لیکن ایک صاحب نظر کیلئے اب میں بہت اسباق ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کی احادیث اور قرآن کریم کی پیشنگوئیوں پر غور کرنے سے سائنسی علوم اور دریافتوں کے منطقی نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ وہ سائنسی معراج میں انسانیت کا خاتمہ دیکھ رہا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اب بھی قرآن پاک کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر چلنے کیلئے تیار نہیں۔

اب سائنسدان ماننے لگا ہے کہ جسمانی حواس خمسہ کے علاوہ بھی انسان میں کچھ باہر از حواس صلاحیتیں (Extrasensory perceptory powers) ہیں۔ مرنے کے بعد کی حالت پر جو ریسرچ ہو رہی ہے وہ بھی یہی ثابت کرتی نظر آتی ہے کہ موت خاتمہ نہیں ہے۔ لیکن پھر وہ بھی حیات بعد الموت اور جزا و سزا کو دل سے تسلیم نہیں کرتی ہے۔

کائنات میں جو کچھ دیکھا گیا ہے وہ بھی ہر سو خالق کی طرف متوجہ [illegible] تا ہے لیکن اس کے باوجود شیطان نے اسے سیدھے راستے پر آنے سے روکا ہوا ہے۔ تمام تر سائنس اللہ کی ہستی کی گواہ ہے لیکن آج کا انسان ادھر متوجہ نہیں۔ عقل اس کے سامنے عاجز ہے لیکن وہ اس کی عظمت

سے بے خبر ہے۔ فلاسفر مقصدیت کو مانتا ہے لیکن اپنی حیات کو بے مقصد شے سمجھ رہا ہے۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک بتاتا ہے کہ:۔

''اِن کے دماغ ہیں لیکن سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں، دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ وہ مانند حیوانات ہیں، نہیں! بلکہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں''۔

(سورہ الاعراف، آیت ۱۷۹)

ہماری ثقافت، عقیدہ یا قوم کچھ بھی ہوسکتی ہے لیکن موت والے معاملے میں ہم سب اکٹھے ہیں۔ کوئی بھی اس سے مبراء نہیں لیکن پھر بھی موت کے بعد زندگی کو سائنس ابھی تک وہ اہمیت نہیں دے رہی جو اس کا حق ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ زندگی کے دوران ان کا مرنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جو مر جاتے ہیں ان کیلئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئے۔

سورۃ حم سجدہ کی آیت مبارکہ ۵۳ کے انکشافات کے بعد یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اب زیادہ دور نہیں کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ جائے لیکن اگر وہ اپنے باطل نظریات پر ڈٹا رہا تو حق کا علم ہوتے ہوئے بھی وہ انکار کرتا رہے گا۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ بجائے اس انتظار کے کہ سائنسی دریافتیں اس سلسلے میں اِسکی راہنمائی کریں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا ہے وہ اس پر ایمان لاکر اپنے تعصّبات سے چھٹکارا حاصل کرلے۔ قرآن پاک کی سورۃ الحج میں ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِئِیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ۝

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست ہوئے اور جنہوں نے شرک کیا، بے شک اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر گواہ ہے ۝۔ (سورۃ الحج۔ آیت ۱۷

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زبان (قسط نمبر 3)

محمد صدیق ڈار توحیدی

حَروفُ التَّقرِیب

''س''اور''سوف'' یہ دوحروف ہیں۔ جب یہ فعل مضارع کے ساتھ آتے ہیں تو اسے زمانہ مستقبل قریب کے ساتھ خاص کردیتے ہیں۔جیسا کہ **سَنُقْرِئُکَ** (ہم ابھی پڑھیں گے) **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** (تم عنقریب جان لوگے)

حروفِ اِستِثنَاء

حروفِ اِستثناء سات ہیں۔سب کے معنی''مگر''یا''سواء'' کے ہیں۔حروف یہ ہیں:۔ **اِلاَّ، غَیرَ، سِوٰی، خَلاَ، عَدَا، حَاشَا، بِدُوْنِ**

حروفِ قَلْقَلَه

جب یہ حروف ساکن ہوں یعنی ان پر جزم ہو تو اِن کی قرأت خاص طریقے سے کی جاتی ہے۔انہیں ہلا کر پڑھا جاتا ہے۔ادائیگی کا طریقہ کسی عالم بھائی سے سیکھ لیں۔حروف یہ ہیں۔ب،ج،د،ط،ق۔

حروفِ اِستِفهَام

فقروں کوسوالیہ بنانے کیلئے''أَ اور'' ''**هَلْ** ''اِستعمال کئے جاتے ہیں۔''أَ'' مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن''**هَلْ**''صرف مثبت جملوں پر آتا ہے۔

ان کے علاوہ یہ اسماء بھی سوالیہ فقرے بناتے ہیں:۔

اَیْنَ ، مَنْ، مَا، مَاذَا، لِمَ، متٰی، کَیْفَ، کَمْ، اَیٌّ۔

کہاں، کون، کیا، کیا، کیوں، کب، کیسا، کتنا، کونسی۔

حروفِ نداء

یہ حروف کسی کو بلانے یا پکارنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔جس کو پکارا جائے اسے ''منادی'' کہتے ہیں۔حروف ِ نداء دو ہیں ''**یا**'' اور ''**اَللّٰهُمَّ**''۔

☆۔ منادٰی اگر مفرد یعنی اکیلا ہو تو مرفوع (ـُـ) ہوتا ہے۔جیسے **یا وَلَدُ**۔

☆۔ منادٰی اگر مضاف یعنی کسی کے ساتھ اضافت رکھتا ہو تو **منصوب** (ـَـ) ہوتا ہے۔جیسے **یارَسُوْلَ اللهِ**۔

☆۔ **اَبْ** اور **اُمّْ** کے آخر میں تا (ت) آجاتی ہے۔جیسے **یا اَبَتِ**۔

☆۔ اگر منادی ''ال'' کے ساتھ ہو تو ''**یا اَیُّهَا**'' اور ''**اَیُّهَا**'' آتا ہے۔

جیسے **یَا اَیُّهَا الرَّجلُ۔ اَیُّهَا الْاِخوَة**۔

☆۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کیلئے **اَللّٰهُمَّ** آتا ہے۔

جیسے **اَللّٰهُمَّ اَعِنِّی علٰی ذِکْرِكَ**۔ (جاری ہے)

حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر انصاری (غسیل الملائکہ)

طالب الهاشمی

راس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا بہنوئی ابو عامر اگر چہ ایک زاہد مرتاض تھا۔ اور اس نے حق کی تلاش میں گوشہ عزلت اختیار کر لیا تھا۔ لیکن جب خورشید اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور مدینہ منور کے درو دیوار سید المرسلین ﷺ کی طلعت اقدس سے جگمگائے تو ابو عامر کی عقل پر پتھر پڑ گئے اور اس نے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی دشمنی کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا۔ خدا کی شان کہ اِسی ابو عامر کے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا کیا۔ اور اس نے کسی تامل کے بغیر دعوت حق پر لبیک کہا اور رحمت عالم ﷺ کے جانثاروں میں شامل ہو گیا۔ جب اس کے باپ کی اسلام دشمنی اور شر انگیزی انتہاء کو پہنچ گئی تو اس کو غیرتِ ایمانی کو تابِ ضبط نہ رہی۔ ایک دن بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی:۔ یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو اپنے باپ کا سر اُتار لاؤں۔

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، ہم ان سے برا سلوک نہیں کریں گے“۔

ابی عامر کے یہ سعادت مند فرزند جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خاطر اپنے دشمن حق باپ کا قصہ پاک کرنے پر تیار ہو گئے تھے، حضرت حنظلہؓ تھے جو تاریخ میں تقی اور ”غسیل الملائکہ“ کے القاب سے مشہور ہیں۔

حضرت حنظلہؓ کا تعلق اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

حنظلہؓ بن ابی عامر عمرو بن صیفی بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ بن زید بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

حنظلہؓ کا والد ابی عامر اپنے قبیلے کا نہایت معزز اور با اثر شخص تھا۔ وہ توریت و انجیل کا عالم اور بعثت پیغمبر ﷺ آخر الزمان کا قائل تھا اور اکثر دین حنیف کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ ایسے ہی خیالات نے اس کو رہبانیت کی طرف مائل کیا۔ وہ ٹاٹ کا لباس پہن کر کنج عزلت میں بیٹھ گیا اور دن رات

ریاضت میں مشغول رہنے لگا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل مدینہ کے نزدیک وہ ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اس کو ''راہب'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس راہب کی بدبختی دیکھیئے کہ جب (۱۱ھ بعد بعثت میں) مدینہ میں اسلام کی دعوت کا چرچا ہوا تو اس نے نورِ حق کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور اسلام کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ سرورِ عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو ابو عامر حضورؐ پر ایمان لانے کی بجائے آپؐ سے سخت حسد کرنے لگا۔ اس نے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور حضور ﷺ کے خلاف بھڑکانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ خدا کی شان اسی بدبخت کے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ ایمان سے بہرہ ور کیا اور ایسی حرارتِ ایمانی عطا کی کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرنے پر تل گئے۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی۔ ابو عامر جوشِ حسد میں مدینہ کی سکونت ترک کر کے مکہ چلا گیا اور غزوہ اُحد میں مشرکین قریش کے ساتھ مل کر اہل حق سے لڑنے آیا۔ اِس کی یہی حق دشمنی تھی جس کی بناء پر حضور ﷺ نے اس کے لئے ''فاسق'' کا لقب تجویز فرمایا۔ اس کے بعد وہ پھر مکہ واپس چلا گیا۔ ۸ھ ہجری میں مکہ پر پرچم اسلام بلند ہوا تو وہ ہرقل (شاہِ روم) کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا اور وہیں ۹ھ یا ۱۰ھ ہجری میں مرگیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرقل نے اس کا متروکہ کنانہ بن عبد یالیل ثقفی کو دے دیا۔

حضرت حنظلہؓ نہایت مخلص مسلمان تھے اور بارگاہِ رسالت سے ''تقی'' کا خطاب پایا تھا۔ غزوہ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔ غزوہ اُحد کے دن بیوی کے پاس خلوت میں تھے کہ منادی کی آواز سنی جو مسلمانوں کو جہاد کیلئے پکار رہا تھا۔ اِسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ غسل کا خیال ہی نہ رہا اور مسلح ہو کر میدانِ جنگ میں جا پہنچے۔ اس وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ جاتے ہی اُن کا سامنا ابوسفیانؓ سپہ سالارِ قریش سے ہو گیا۔ انہوں نے ابوسفیانؓ کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور ان کو اپنی تلوار کی زد میں لے لیا کہ شداد بن اسود لیثی نے آگے بڑھ کر حنظلہؓ پر

تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑے۔

لڑائی کے بعد سرور عالم ﷺ نے میدانِ جنگ کی طرف نظر کر کے فرمایا: ''حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہیں''۔

حضرت ابو اُسید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حنظلہؓ کی نعش کے قریب گیا تو دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ میں اُلٹے پاؤں حضورؐ کی خدمت میں واپس آیا اور یہ ماجرا عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ ان کی اہلیہ سے دریافت کرنا چاہیے کہ کیا بات تھی؟ ابو اسیدؓ کہتے ہیں کہ جب ہم واپس مدینے آئے تو حضور ﷺ نے حضرت حنظلہؓ کی اہلیہ کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت فرمایا کہ آپ کس حال میں جہاد کیلئے روانہ ہوئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی لئے اس کو فرشتے غسل دے رہے تھے۔ اِسی دن سے وہ ''غسیل الملائکہ'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت حنظلہؓ نے اپنے پیچھے ایک ہفت سالہ فرزند چھوڑا۔ جن کا نام عبداللہ تھا۔ انہوں نے واقعہ حرہ (۶۳ھ) میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ شہادت پائی۔

قبیلہ اوس کیلئے حضرت حنظلہؓ کی شخصیت ہمیشہ کیلئے وجہ افتخار بن گئی۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اوس و خزرج اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے۔ فریقین نے اس موقع پر اپنے اپنے جلیل القدر اصحاب کو پیش کیا۔ اوس نے اپنے جن اصحاب کا نام لیا ان میں حضرت حنظلہؓ کا نام سرفہرست تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ملفوظات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ

حافظ شہزاد احمد

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شہرہ آفاق بزرگ ہیں۔ آپؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلیفہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے پیرو مرشد ہیں۔ آپ کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنی کشش اور جاذبیت رکھی تھی۔ کہ آپ جس پر نگاہ شفقت ڈالتے وہ ہدایت کا طالب بن جاتا۔ آپؒ کی وفات سماع کی حالت میں اِس شعر پر ہوئی۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ترجمہ:۔ خنجر تسلیم سے قتل ہونے والوں کو ہر وقت غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

آپؒ کے ملفوظات واقوال

1۔ مرشد میں اتنی قوت قلبی ہونی چاہیے کہ وہ مرید کے سینے سے گناہوں کی آلائش کو ختم کر دے۔ پھر اس کو اللہ تک پہنچا دے۔ اگر کوئی مرشد یہ نہ کر سکتا ہو تو سمجھو کہ مرشد اور مرید دونوں اصل مقصد سے دور رہیں۔

2۔ راہ سلوک میں جو شخص محبت کرے اور محبت کا دعویٰ کرے۔ وہ دوست کی طرف سے آنے والی مصیبت کو خواہش سے چاہتا ہے۔ کیونکہ اہل معرفت کے نزدیک دوست کی مصیبت دوست کی رضا ہے۔

3۔ میرے نزدیک چھوٹے سے دانے کے برابر اللہ سے دوستی۔ بغیر دوستی کے ستر ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

4۔ نیک بزرگوں کے کلمات اکسیر کی خاصیت رکھتے ہیں۔

5۔ درویشی راحت نہیں بلکہ دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا رہنا ہے۔

6۔ جو سالک دنیا کو دکھانے کیلئے اچھا لباس پہنے وہ سالک نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے۔

7۔ جس دل میں چار خصلتیں ہوں اس میں حکمت نہیں ٹھہر سکتی۔

۱۔ دنیا کی ہوس۔ ۲۔ کل کا غم کہ کل کیا ہوگا۔ ۳۔ جاہ و شرف کی محبت۔
۴۔ مسلمانوں کے ساتھ حسد و بغض رکھنا۔

8۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے تمام اعضاء میں ہے۔انسان کی پیدائش کا آغاز محبت سے کیا۔اگر آنکھ ہے تو دوست کی محبت میں مستغرق ہے۔پس اے ابن آدم تیرا کوئی اعضاء اللہ کی محبت سے خالی نہیں ہے۔

9۔ سالک کیلئے دنیا کی محبت سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں۔کوئی شخص اس وقت تک اللہ کی محبت حاصل نہیں کرسکتا۔جب تک اس کے دل میں دنیا کی محبت ہے۔

10۔ جس روز دوست کی مصیبت ہم پر نازل نہیں ہوتی ہے۔ہم کو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ میرا دوست مجھ سے ناراض ہے۔کیونکہ راہِ سلوک میں دوست کی رحمت دوست کی مصیبت ہی ہوتی ہے۔

11۔ مرید کو اپنے پیر کی موجودگی اور غیر موجودگی میں یکساں ہی خدمت خلق کرنی چاہیے۔

12۔ ذکر الٰہی میں مشغول رہنا ایمان کی علامت اور نفاق سے بیزاری ہے۔جنات اور شیطان سے حصار ہے۔

13۔سالک جب تک سر سے پاؤں تک محبت میں مبتلا نہ رہے وہ سالک کہلانے کا حقدار نہیں۔

14۔ جو درویش خواہش نفسانی سے پیٹ بھر کر کھانا کھائے۔وہ نفس پرست ہے درویش نہیں۔

15۔ اللہ تعالیٰ کا خوف بے ادب بندوں کیلئے تازیانہ ہے تاکہ وہ اس کے سبب گناہوں سے بچے رہیں اور نیک راستہ پر قائم رہیں۔

16۔ راہ سلوک کے سالک وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دریائے محبت میں غرق ہیں،کوئی لحظہ اور گھڑی ایسی نہیں گزرتی کہ ان پر عشق کی بارش نہ برسے۔

17۔ جب اللہ کسی کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس پر اپنے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔پھر وہ اللہ کی حفاظت و حمایت میں رہتا ہے۔

18۔ جو بات عقل و فہم میں نہ آئے یعنی جہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو وہ کرامت ہے۔

کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

(نعمان احمد توحیدی)

ابو قدامہ شام کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے وقت کے عظیم مجاہد اور مسلمانوں کے لشکر کے سالار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ دل میں جذبہ جہاد بیدار رہتا۔ مرد میدان تھے، بے شمار لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہمیشہ غازی بن کر واپس آئے۔ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کہا: ''ابو قدامہ! آپ نہ جانے کتنے معرکوں میں حصہ لے چکے ہیں۔ یقیناً اس جہاد میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہوں گے جن سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ ہمیں کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوں اور شوق جہاد ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے۔'' ابو قدامہ کہنے لگے: تو سنو، میں تمہیں ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جس سے میں بہت زیادہ متعجب اور متاثر ہوا:

صلیبی جنگیں اپنے عروج پر تھیں۔ جب بھی عیسائیوں سے مقابلہ ہوتا، ہمارے نوجوان اسلام کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے سر پر کفن باندھ کر دشمن کے مقابلے میں فولاد بن جاتے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی سرحد پر دشمن کی فوج جمع ہو رہی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ''رقہ'' کا رخ کیا۔ ''رقہ'' شام میں دریائے فرات کے کنارے ایک بڑا قصبہ ہے۔ میں نے وہاں سے اونٹ خریدا اور اس پر سامان حرب رکھا۔ شام کے وقت قصبے کی مساجد میں گیا اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ کئی نوجوان ہمارے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ مجاہدوں کے لئے لوگوں نے ساز وسامان کا ڈھیر لگا دیا۔

رات ہوئی تو میں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے مجھ سے کون ملنے کے لیے آ سکتا ہے۔ میں اس شہر میں بالکل اجنبی اور نو وارد ہوں۔ آخر یہ کون ہو سکتا ہے؟ اسی سوچ بچار میں تھا کہ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو گلی میں ایک باپردہ باحیا خاتون نظر آئی۔ جب رات گئے ایک خاتون کو دیکھا تو ڈر گیا کہ الٰہی: یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی بندی تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ کہنے لگی: آج تم ہی نے مساجد میں مجاہدین کے لیے ساز وسامان اکٹھا کیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ ایک چھوٹی سی پوٹلی میرے حوالے کر کے روتی

ہوئی چل دی۔ مجھے اس کے رونے پر بڑا تعجب ہوا۔ پوٹلی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے قندیل روشن کی اور پوٹلی کو کھولا تو اس میں ایک خط اور بالوں سے بنی ہوئی رسی تھی۔ میں نے اس خط کو پڑھا۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا:

''ابوقدامہ! آج تم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور اس میں مالی طور پر شرکت کی دعوت دی۔ میں ایک عورت ہوں، خاتون خانہ ہوں۔ میں جہاد نہیں کرسکتی، نہ میرے پاس مال و دولت ہے کہ میں مجاہدین کے لیے مال پیش کرسکوں۔ چنانچہ میرے پاس جو نہایت خوبصورت اور اہم چیز تھی وہ میں تمہارے پاس لے کر آئی ہوں۔ یہ میرے بالوں کی لٹ ہے۔ میں نے اس سے یہ رسی بنائی ہے۔ تم اس رسی سے کسی مجاہد کے گھوڑے کو باندھ لینا۔ ہوسکتا ہے کہ جب میرا رب مجاہد کے گھوڑے کو میرے بالوں سے بنی ہوئی رسی سے بندھا دیکھے تو اس کو میرا یہ عمل پسند آجائے اور وہ مجھ سے راضی ہوجائے اور مجھے معاف کر کے جنت دے دے۔''

ابوقدامہ کہنے لگے: مجھے اس خاتون پر بڑا تعجب ہوا، راہ جہاد میں اس کی شرکت، اپنی مغفرت کی فکر اور جنت کا شوق، سبحان اللہ۔ ہر چند کہ یہ کام شریعت میں جائز نہیں کہ کوئی عورت اپنے بالوں کو کاٹے اور ان کی رسی بنائے لیکن جہاد کی محبت اور جنت کا شوق اس پر غالب آگیا اور وہ یہ کام کر گزری۔ میں اس رسی کو اپنے سامان میں رکھ کر سو گیا۔

اگلے دن صبح سویرے حسب پروگرام مجاہدین کا قافلہ سرحد کی طرف میدان جنگ میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک گھڑسوار تیزی سے ہماری طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ آواز لگا رہا تھا: ابوقدامہ! ذرا رک جاؤ، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم چلو! میں اس آدمی کی بات سن کر آتا ہوں۔ میں رک گیا اور سوار کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھڑسوار میرے پاس آکر رکا۔ چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا، آتے ہی بولا: اللہ کا شکر ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہوگئی ہے اور میں نے گھر والوں سے کیے وعدے کو پورا کردیا ہے۔ میں نے کہا: کونسا وعدہ، اور مجھ سے ملنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ کہنے لگا: میں جہاد میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔ تاخیر ہوگئی۔ میں نے کہا: اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ اگر تمہاری عمر جنگ و قتال کے قابل ہوئی تو تمہیں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا ورنہ میں تمہیں واپس کر دوں گا۔ جب اس نے چہرے سے پردہ ہٹایا تو میرے سامنے ۱۶، ۱۷ سال کا نہایت خوبصورت

نوجوان کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا: تمہارا والد زندہ ہے؟ کہنے لگا: نہیں، اس کو صلیبیوں نے شہید کر دیا ہے۔ میں اللہ کے ان دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری والدہ زندہ ہے؟ کہنے لگا: ہاں وہ زندہ ہے۔ میں نے کہا: پھر اس کی خدمت کرو اور اس کے پاس واپس چلے جاؤ، اس کے قدموں میں جنت ہے۔ اس نے میری اس بات پر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: آپ میری والدہ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اتنی جلدی بھول گئے، میری والدہ وہی پوٹلی والی خاتون ہے جو رات کو آپ کی خدمت میں آئی تھی۔ مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا: اچھا تو وہ تمہاری والدہ تھیں۔ کہنے لگا: ''ہاں وہ میری والدہ تھی اور اسی نے مجھے کافروں سے جہاد کے لیے روانہ کیا ہے اور مجھے قسم دی ہے کہ میں جہاد میں شرکت کیے بغیر گھر واپس نہ آؤں۔''

''ابوقدامہ! جب میں یہاں آ رہا تھا تو میری والدہ نے کچھ نصیحتیں کیں۔ کہنے لگی: میرے بیٹے! میری بات غور سے سنو۔ جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو دیکھنا کہیں تمہارے قدم پھسل نہ جائیں۔ دشمن کے مقابلے میں بھاگ نہ جانا، اور ہاں جنگ کے وقت رب کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اپنے رب سے اس کے جوار رحمت میں جگہ اور مقام طلب کرنا۔ جنت میں اپنے والد اور اپنے ماموں کی ہمسائیگی مانگنا۔ اور پھر میرے پیارے بیٹے! اگر تم کو شہادت مل جائے تو رب سے میری مغفرت کی شفاعت کرنا۔''

''پھر میری والدہ نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگی: اے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، میرا لخت جگر ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتی ہوں۔ اے اللہ! اسے اپنے والد اور ماموں کے پاس جگہ دینا۔''

ابوقدامہ نے بتایا: مجھے اس نوجوان کی گفتگو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نوجوان نے جلدی سے کہا: ''ابوقدامہ! آپ کو اللہ کی قسم، مجھے جہاد میں شرکت سے محروم نہ کریں۔ میں رب کی راہ میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ میں شہید ہوں گا، ایک شہید کا بیٹا، ایک شہید کا بھانجا۔ میری چھوٹی عمر پر نہ جائیں۔ میں حافظ قرآن ہوں، تیر اندازی اور شمشیر زنی کا ماہر ہوں، گھڑ سواری میرے لئے کھیل اور تماشا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔'' چنانچہ میرے پاس اس نوجوان کو ہمراہ لے جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ابوقدامہ نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: دوران سفر واقعی اس نوجوان نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی اس کو پایا۔ وہ ہم سب سے آگے آگے اور مجاہدین کی خدمت میں پیش پیش

رہتا۔ شام ہونے کو تھی۔ ہم سارے دن کے سفر سے خاصے تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانے پکانے کا سامان کرنے لگے۔ اِسی دوران میں وہ لڑکا میرے پاس آیا اور مجھے قسم دے کر کہنے لگا: "چچا جان! آپ کو اللہ کی قسم! مجھے مجاہدین کا کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیں۔ میں ان کا نوکر اور خادم ہوں۔ میں ان کا کھانا پکاؤں گا۔" میں نے ہر چند انکار کیا، مگر اس کا اصرار غالب آ گیا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا پڑاؤ سے ذرا دور آگ جلاؤ تا کہ اس کے دھویں سے ساتھی پریشان نہ ہوں۔ چنانچہ ہم سے ذرا دور آگ جلا کر کھانا پکانے لگ گیا۔ خاصی دیر گزر گئی تو میرے ساتھیوں نے کہا: ابو قدامہ اپنے ساتھی کی خبر لو، وقت خاصا گزر چکا ہے اور وہ کھانا لے کر نہیں آیا۔ میں نے کہا: میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کھانا کس مرحلے میں ہے۔ جب اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ چولہے پر برتن رکھا ہے، آگ جل رہی ہے اور ذرا دور وہ نوجوان ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا ہے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے۔ میں نے اس کو گہری نیند سے اُٹھانا مناسب نہ جانا اور خود کھانا پکانے لگ گیا۔ اس دوران میں کبھی کبھار اس کے پرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ سارے دن کے سفر کی تھکاوٹ سے وہ دنیا جہان سے بے پروا ہو کر سو رہا تھا۔ اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو گئی۔ میں نے غور سے اس کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی، پھر اس نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زوردار ہنسی کے دوران میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ بڑا شرمندہ اور کھسیانا سا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا: "مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کے کھانے میں تاخیر کر دی۔ دراصل تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں غالباً گہری نیند سو گیا تھا، میں خواب دیکھ رہا تھا۔" میں نے محبت سے اس کو دیکھا اور کہا: کوئی بات نہیں، تم میرے بیٹے ہو، آؤ مل کر کھانا پکاتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں میں آپ کا خادم ہوں، کھانا میں تیار کرتا ہوں۔ اب کی بار میں نے اس کو قسم دی کہ جب تک تم اپنا خواب اور خواب میں مسکرانے اور پھر ہنسنے کا قصہ نہیں سنا لیتے، میں تمہیں کھانے کو ہاتھ نہیں لگانے دونگا۔

کہنے لگا "چچا جان! اس خواب کو میرے اور میرے رب کے درمیان ہی رہنے دیں"۔ میں نے پھر اس کو قسم دی کہ سناؤ تم نے خواب میں کیا دیکھا ہے۔ کہنے لگا: "چچا جان! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ اس کی خوبصورتی اور حسن کے کیا کہنے! میں اس کی خوبصورتی اور حسن میں محو آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں مجھے نہایت خوبصورت محل نظر آیا۔ سونے اور چاندی کا بنا ہوا محل اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے، اس پر موتی جواہرات لگے ہوئے

تھے۔اس میں نہایت خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کومخاطب کیااور میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگی: یہ مرضیہ کا خاوند ہے، یہ مرضیہ کا خاوند ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مرضیہ کون ہے، چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم مرضیہ ہو؟ کہنے لگی: نہیں، میں تو اس کی نوکرانیوں میں سے ایک ہوں۔تم اگر مرضیہ کو دیکھنا اور ملنا چاہتے ہو تو اس محل میں داخل ہو جاؤ، تمہیں وہ مل جائے گی۔ میں اس محل میں داخل ہوا۔اس کے کمرے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھے۔اُوپر والی منزل میں ایک نہایت خوبصورت کمرہ، جس میں مسہری سجی ہوئی اور اس پر نہایت خوبصورت روشن چہرے والی خوبرو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب ہوا تو کہنے لگی: اے اللہ کے ولی اور اس سے محبت کرنے والے! مجھے اللہ نے تمہارے لئے اور تمہیں میرے لئے پیدا کیا ہے، میری اور تمہاری ملاقات ضرور ہوگی۔مگر اس ملاقات میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔میری تمہارے ساتھ ملاقات کل ظہر کے بعد ہوگی۔ میں نے اس کی گفتگو سنی تو چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوگئی، پھر میں شوق ملاقات میں ہنسنے لگا۔'' ابو قدامہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: تم نے نہایت اچھا خواب دیکھا ہے۔

ابو قدامہ نے آگے بیان کیا: ہم نے رات کا کھانا کھایا اور اگلے دن کے سفر کی تیاری کر کے آرام کرنے کے لیے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔فجر کی نماز کے بعد ہم نے چھاؤنی کی طرف کوچ کیا اور وہاں باقی اسلامی فوج کے ساتھ شامل ہوگئے۔دن ذرا روشن ہوا تو ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔صفوں کو سیدھا کیا گیا اور کمانڈر نے میمنہ اور میسرہ پر نگران مقرر کیے، سورۃ الانفال کی آیات تلاوت کی گئیں اور جہاد کے اجر وثواب کو بیان کیا گیا۔مجاہدین میں جوش وخروش پیدا ہوگیا اور وہ شہادت کے رتبے کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوگئے۔ ساتھیوں نے اپنے دائیں بائیں اپنے رشتہ داروں،عزیزوں اور بہادروں کو جمع کیا کہ وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔مگر اس نوجوان کا یہاں کوئی واقف کار تھا نہ باپ نہ رشتہ دار، جو اس کے بارے میں سوچتا، اس کو اپنے قریب بلاتا۔میں اسی سوچ اور فکر میں تھا کہ اس کو اپنے ساتھ رکھوں۔اچانک میری نظر اس پر پڑی، وہ بالکل اگلی صفوں میں نظر آرہا تھا۔میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا اور کہا: اے میرے بیٹے! کیا اس سے پہلے بھی کسی معرکے میں شرکت کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ میری پہلی جنگ، پہلا جہاد اور کافروں سے پہلا مقابلہ ہے۔میں پہلی مرتبہ میدان جنگ کو دیکھ رہا ہوں۔میں نے کہا: بیٹے! جنگ کوئی کھیل نہیں، بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔تم ایسا کرو کہ میدان جنگ کے پچھلے حصہ میں چلے جاؤ۔اگر اللہ نے

ہم کو فتح عطا کی تو تم بھی اس میں حصہ دار ہو گے اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہو تو کم از کم تمہاری جان تو بچ جائے گی۔اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور کہا: آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں!! میں نے کہا: ہاں میں ایسی بات کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا: چچا جان! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں جہنمی بن جاؤں؟ میں نے کہا: اعوذ باللہ، بیٹے! میں ایسا کیوں چاہنے لگا، جہاد میں ہم جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تو آئے ہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے جنت کے طالب ہیں۔ تب وہ مجھ سے کہنے لگا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے۔

”اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان کے سامنے پیٹھ مت پھیرنا، اور جو شخص ان کے سامنے اس موقع پر پیٹھ پھیرے گا، مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو، وہ مستثنیٰ ہے۔ باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔“

(الانفال: ۱۵، ۱۶)

کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں میدان جنگ سے بھاگنے والوں میں سے بن جاؤں اور پھر جہنم میرا ٹھکانہ ہو؟ ابو قدامہ کہنے لگے، میں اس کی سوچ اور فکر پر بڑا حیران ہوا۔ اس آیت کا مفہوم اور جہاد سے اس کی اس درجہ محبت! میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اسی دوران میں لڑائی شروع ہو گئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے درمیان گھوڑے حائل ہو گئے۔ دونوں طرف سے بہادروں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر۔ زرہیں اور خود کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لوگ زخمی ہو کر نیچے گر رہے تھے۔ پھر میدان میں گرد و غبار چھا گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا حتیٰ کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ مومنین کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے مدد فرمائی اور انہیں غلبہ عطا ہوا۔ دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے صلیبیوں کو شکست دی۔ جب میدان خالی ہوا تو ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ اور پھر ہر کوئی اپنے عزیز و اقارب کو تلاش کرنے اور اس کا حال دیکھنے اور پوچھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مگر وہ نوجوان جس کا نہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا اور نہ کوئی اس کو پوچھنے والا تھا، میرے دل میں اسی کا خیال تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کہیں زخمی تو نہیں، کہیں دشمن بھاگتے ہوئے اسے قیدی بنا کر نہ لے گیا ہو؟ دل میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے آتے رہے اور میں اس کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ میں مقتولین اور زخمیوں میں اسے تلاش کرتے کرتے آگے بڑھ گیا کہ دفعتاً ایک طرف سے آواز سنائی دی: لوگو! میرے چچا

ابوقدامہ کوتلاش کرو۔ میں نے آواز کی جانب کان لگائے اور اس طرف چل دیا، سامنے اس نوجوان کوشدید زخمی حالت میں دیکھا۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سینے کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں، وہ یتیم صحراء میں جان کنی کے عالم میں تھا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ میرے بیٹے! میری طرف دیکھو۔ میں ہوں تمہارا چچا ابوقدامہ، یہ میں ہوں ابوقدامہ۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور گویا ہوا: ''اللہ تیرا شکر ہے، ابوقدامہ میرے پاس آگئے ہیں۔ چچا! میری وصیت کو پلے باندھ لیں، اسے غور سے سنیں۔'' میں نے اس کو اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اتنا خوبصورت چہرہ! میں نے اپنی عباء سے اس کے چہرے کو صاف کیا۔ دل میں اس کی ماں کا تصور آیا۔ جب اس کو بیٹے کی اطلاع ملے گی تو اس کا کیا حال ہوگا۔ گزشتہ برس اس کا خاوند شہید ہوا، پھر اس کا بھائی اور اب بیٹا۔ اللہ اکبر، اس کے دل پر کیا گزرے گی! نوجوان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: ''چچا! اپنی چادر سے میرے جسم کو صاف نہ کریں بلکہ میری چادر سے اس لہو کو صاف کریں۔ چچا جان! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے اس میدان میں دفن کر دیں اور رقہ میں میری والدہ کے پاس ضرور جائیں۔ اس کو خوشخبری سنائیں کہ اس کے رب نے اس کے تحفے کو قبول کر لیا ہے، اس کا بیٹا رب کی بارگاہ میں شہید ہو کر پہنچا ہے، اس نے زخم اپنے سینے پر کھائے ہیں، دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیری۔ میری والدہ سے کہیں کہ کل انشاء اللہ میں جنت میں اپنے والد اور ماموں سے ملاقات کروں گا تو ان کو تمہارا سلام پیش کروں گا۔ چچا جان! میری والدہ میری موت پر یقین نہیں کرے گی۔ ایسا کریں کہ میرے خون آلود کپڑے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ اس کو دکھائیں اور اس سے کہیں کہ اب تمہاری اپنے بیٹے سے ملاقات انشاء اللہ جنت میں ہوگی۔

''چچا جان! میرے گھر میں میری 9 سالہ چھوٹی بہن ہے جو مجھ سے نہایت محبت اور پیار کرتی تھی۔ جب بھی گھر جاتا خوشی سے چہک اٹھتی۔ جب گھر سے روانہ ہوتا تو غمگین ہو جاتی۔ گزشتہ برس والد صاحب کی شہادت سے بڑی غمگین اور پریشان رہی۔ جب میں جہاد کے لیے آ رہا تھا اور اس کو میری روانگی کا پتہ چلا تو میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی: بھیا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ رُک جاؤ، بھیا! جلدی واپس آنا اور زیادہ دیر نہ کرنا، میں اُداس ہو جاؤں گی۔ چچا جان! میری بہن کو دلاسہ دینا، اس کے سر پر ہاتھ رکھنا اور اس کو حوصلہ دینا''۔

اس کی آواز بتدریج آہستہ ہوتی گئی۔ وہ مجھ سے گھر کی، اپنے والدین کی اور جہاد کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ دراصل اس کا آخری وقت آ چکا تھا۔ اچانک اس نے زور کہا: ''چچا جان، اللہ کی قسم! میرے رب نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ سچ تھا۔ اللہ کی قسم! اب میں مرضیہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کی خوشبو آ رہی ہے''۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔

ابوقدامہ کہہ رہے تھے: میں نے اس کے خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی بنائی، شہدا کو دفن کیا اور اس کا پیغام اس کی والدہ کو پہنچانے کیلئے رقہ آ گیا۔ رقہ میں نہ تو اس کی والدہ کے نام کا پتہ تھا نہ اس نوجوان کا نام پوچھ سکا۔

میں اسی سوچ و بچار میں تھا کہ اس کے گھر کے بارے میں کہاں سے پتہ پاؤں۔ گلیوں میں چلتے چلتے ایک مکان کے باہر میں نے ایک پریشان صورت بچی کو دیکھا جو مختلف راہ گیروں سے پوچھ رہی تھی کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اگر کوئی کہتا کہ میں میدان جہاد سے آیا ہوں تو وہ اپنے بھائی کے بارے میں سوال کرتی کہ میرا بھائی کہاں ہے۔ تم نے اس کو نہیں دیکھا؟ سارے لوگ آ رہے ہیں؟ وہ کیوں نہیں آ رہا؟ کہاں چلا گیا؟ لوگ ''ہمیں معلوم نہیں،، کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔ پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو پوچھنے لگی: چچا! آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: جہاد سے۔ وہ بولی: پھر تو آپ کو میرے بھیا کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا تمہاری والدہ کہاں ہے؟ کہنے لگی کی گھر میں ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو باہر بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں اس کی والدہ چادر میں لپٹی ہوئی باہر نکلی۔ جب اس نے میری آواز سنی تو اس نے پوچھا: تم ابوقدامہ ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں ابوقدامہ ہوں۔ کہنے لگی: تو پھر بتاؤ کہ تم میرے لئے خوشخبری لے کر آئے ہو یا کوئی بری خبر۔ میں نے کہا: اماں جان تمہارے نزدیک خوشخبری کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگی: اگر تم مجھے یہ خبر دو گے کہ میرا بیٹا اسلام کے دشمنوں سے، صلیبیوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا ہے تو یہ میرے لئے خوشخبری ہے کہ میں شہید کی ماں بن گئی ہوں۔ اور اگر مجھے بتاؤ گے کہ میرا بیٹا بچ کر، غازی بن کر، مال غنیمت لے کو لوٹا ہے تو یہ میرے لئے اچھی خبر نہیں کہ میرے رب نے میرے ہدیے کو، میرے تحفے کو قبول نہیں کیا۔

میں نے دل پر قابو رکھ کر کہا: اماں جان! میں تمہارے پاس شہادت کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ تمہارا بیٹا رب کی راہ میں شہید ہو گیا ہے۔ اس نے زخم سینے پر کھائے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں اس نے نہ تو منہ پھیرا ہے، نہ ہی بھاگا ہے۔

ماں کہنے لگی: ابوقدامہ! مجھے تمہاری بات پر پورا یقین نہیں آ رہا ہے۔ تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟

میں نے وہ خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے اس نوجوان کے کپڑے نکالے۔ یہ دیکھو اماں، اس کا پھٹا ہوا کرتا، کیا وہ یہی پہن کر گھر سے نہیں نکلا تھا؟ یہ دیکھو اس کی چادر، اِسی سے تم نے اپنے ہاتھوں اس کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ میں اس کو روتے ہوئے کپڑے دکھاتا گیا۔ اس کی بہن خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی والدہ نے اللہ اکبر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کی بہن کو جب اپنے بھائی کی شہادت کا پتہ چل گیا، یقین ہو گیا تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کی ماں دوڑتی ہوئی اندر گئی اور پانی کا پیالہ لے کر آئی۔ میں بچی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا اور اس کو ہوش میں لانے کی ترکیب کرنے لگا۔ اس کی ماں نے بچی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور گھر میں چلی گئی۔ اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔ میں دروازے سے منہ لگائے کھڑا اس کی آہ وزاری سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی: اے میرے رب، اے میرے مالک، اے میرے خالق! میں نے اپنا خاوند، اپنا بھیا، اپنا لاڈلا بیٹا تیرے سپرد کر دیا۔ وہ تیری راہ میں شہید ہو گئے۔ اے اللہ! تو اپنے فضل و کرم سے مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے بھی ان کے ساتھ جنتیوں میں شامل کر دے۔

ابوقدامہ کہنے لگے: میں نے متعدد بار اس کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ شاید وہ دروازہ کھول دے تو اس کی مالی طور پر مدد کروں، یا اس کے بارے میں لوگوں کو مطلع کروں، مگر نہ اس نے دروازہ کھولا اور نہ اس کی آواز سنائی دی۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ اسلام سے، جہاد سے اور اپنے رب سے محبت کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی۔

قارئین کرام! یہ ایک خاتون تھی جس نے اپنی ہر پیاری چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ ہم اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض کہاں تک پورے کر رہے ہیں، کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

("المشتاقون الی الجنۃ" سے ماخوذ)

فرمودات واصف علی واصفؒ

جواد رضا

توبہ:۔

1۔ اگر اپنا گھر اپنے سکون کا باعث نہ بنے تو توبہ کا مقام ہے۔

2۔ اگر مستقبل کا خیال ماضی کی یاد سے پریشان ہو تو توبہ کر لینا مناسب ہے۔

3۔ اگر انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں تو، توبہ سے کیا شرمندگی؟

توبہ قبول ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا۔

4۔ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ توبہ شکنی ہے۔

5۔ توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے، کیونکہ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بدقسمت ہے۔

6۔ نیت کا گناہ، نیت کی توبہ سے اور عمل کا گناہ، عمل کی توبہ سے معاف ہوتا ہے۔

7۔ اگر انسان کو یاد آ جائے کہ کامیاب ہونے کیلئے اس نے کتنے جھوٹ بولے ہیں تو اُس کو توبہ کر لینی چاہیے۔

8۔ اگر انسان کو اپنے خطا کار یا گناہ گار ہونے کا احساس ہو جائے تو اُسے جان لینا چاہیے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔

9۔ حالتِ گناہ میں موت آنے سے بہتر یہ ہے کہ حالتِ توبہ میں جان نکلے۔

10۔ جس وقت انسان اپنے اعمال پر پچھتانا شروع کرتا ہے۔ اُسی وقت سے توبہ شروع ہوتی ہے۔

11۔ جب انسان بار بار گناہ کرنے سے شرمندہ نہیں ہوتا تو پھر بار بار کی جانی والی توبہ سے شرمندگی کیا معنی رکھتی ہے؟

چند دیگر اقوالِ زریں

ا۔ اگر کیفیت یا یکسوئی نہ بھی میسر ہو تو بھی نماز ادا کرنی چاہیے نماز فرض ہے

کیفیت نہیں۔

۲۔ شکر کرو، نعمت محفوظ ہو جائے گی۔ دستر خواں کشادہ کر دو، رزق بڑھے گا، سجدہ کرو تقرب ملے گا۔ عزت کرو، عزت ملے گی۔ صدقہ دو، بلا ٹل جائے گی۔ توبہ کرو گناہ معاف ہو جائیں گے۔

۳۔ انسان جس کیفیت اور عقیدے میں مرے گا، اُسی میں دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ دُعا کریں کہ وقت رُخصت کلمہ نصیب ہو۔

۴۔ ریاکار اُس عابد کو کہتے ہیں جو دُنیا کو اپنی عبادت سے مرعوب کرنا چاہے۔

۵۔ جو انسان اپنی ہی نگاہ میں معتبر نہ ہو، اُس پر کون اعتبار کرے گا۔

۶۔ باتیں اور صرف باتیں عمل کے پاؤں میں بھاری زنجیریں ہیں۔

۷۔ انسان فیصلہ ایک لمحے میں کرتا ہے اور پھر اُس فیصلے کا نتیجہ ساری عمر ساتھ رہتا ہے۔

۸۔ ہم یادیں لے کر چلتے ہیں اور یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔

۹۔ ہم جن کو رُخصت کرتے ہیں، وہی تو ہمارا اِستقبال کرتے ہیں۔

۱۰۔ کسی کی یاد میں جاگنے والا کبھی بدقسمت نہیں ہوتا۔

۱۱۔ جتایا ہوا احسان ضائع ہو جاتا ہے۔

ماخوذ از! (قطرہ قطرہ قلزم۔ بات سے بات)

افسوس یہ آزادی

عبدالرشید ساھی

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ماہ اگست آنے سے پہلے ہر طرف مبارکیں دی جاتی ہیں کہ آپ کو آزادی مبارک ہو، اخبارات میں اشتہارات، رسائل میں اشتہارات، چوکوں، چوراہوں اور سڑکوں پر آزادی مبارک کے بڑے بڑے بینر آویزاں ہو جاتے ہیں اگر یہی کپڑا غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے تو پورے ملک میں کوئی ننگا نہ رہے۔ پاکستانی ہر عمارت خواہ پرائیویٹ ہو یا سرکاری اس پر ہلالی پرچم لہرا دیا جاتا ہے۔ تمام سرکاری اور نجی عمارتوں کو آزادی مبارک کی جھنڈیوں سے آراستہ کیا جاتا ہے آزادی کی خوشی میں بڑی بڑی تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے جلوس نکلتے ہیں، جلسے کئے جاتے ہیں۔ سارے پروگراموں کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ عوام الناس کے قلوب واذہان میں یہ بات ڈالی جائے کہ ہم سب آزاد ہیں، خود مختار ہیں اور ہمارا ایک الگ ملک اور تشخص ہے، ہم جو چاہیں کریں ہماری روک ٹوک کرنے والا کوئی نہ ہو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم سب بھول گئے کہ یہ مبارک ماہ ہمارے لئے کیا پیغام لاتا ہے؟ ہم نے یہ خطہ کیوں اور کیسے حاصل کیا اور اس کے حاصل کرنے کا مقصد کیا تھا اگر ذرا سا بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ سمجھنا محال نہیں ہے کہ ماہ اگست جہاں ہمارے لئے بے پناہ خوشیاں لاتا ہے وہاں پاکستان کے ماضی کو بھی آواز دیتا ہے کہ اِس آزادی کی پاداش میں مسلمانان برصغیر پر کتنے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے کتنے لاشے تڑپائے گئے، کتنے بے گناہ معصوموں کو نیزوں کی انیوں پر اُچھالا گیا کتنی پاک دامنوں کی عصمتیں لٹیں اور کتنی عزت مآب مائیں، بہنیں اور بیٹیاں اپنی عصمت کی چادر کو داغ سے بچانے کی خاطر جان پر کھیل گئیں۔ کتنی ہی مساجد اور مدارس کو منہدم کر دیا گیا اور مالی نقصان کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا ان مصائب کا اندازہ صرف ان بزرگوں کو ہے جنہوں نے آگ اور خون کا یہ دریا خود عبور کیا۔

افسوس صد افسوس! کہ مملکت خداداد میں 62 برس گذرنے کے باوجود بھی وہ نظام نافذ نہیں کیا جا سکا جس کیلئے یہ تمام مصائب اور تکالیف برداشت کی گئیں اور نہ ہی ہمارے حکمرانوں نے کبھی اس طرف توجہ دی اور نہ ہی بحیثیت قوم ہمیں اس کا افسوس ہے کہ ہم نے اسلام کے نام پر

حاصل کی جانے والی سرزمین پر ایک فیصد بھی اسلام کو نافذ نہیں کیا آج وہ بزرگ کیوں نہ روئیں اور تڑپیں جنہوں نے یہ ملک بے پناہ قربانیاں دے کر حاصل کیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم جشن منائیں بھی تو کس خوشی میں۔ ہم تو ابھی تک غلام ہیں۔ ہمارے قلوب واذہان، فکروافکار، خیالات ونظریات ابھی تک انگریزوں کے زیراثر ہیں۔ اِنہی کی ثقافت، تہذیب، قوانین ہم پر مسلط ہیں ہم کولھو کے بیل کی طرح زندگی گزار رہے ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہمارے اندر جو ہوس زر ہے اس نے ہمارا بھی اور ملک کا بھی حلیہ بگاڑ دیا ہے کبھی چینی کا مصنوعی بحران پیدا کر دیا جاتا ہے تو کبھی آٹے کا بحران آجاتا ہے غریبوں کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا بھی چھن گیا ہے کوئی چیز بھی خالص نہیں ملتی یہاں تک کہ دوائیوں میں بھی بہت زیادہ ملاوٹ کی جارہی ہے دعویٰ تو ہم آقا دو عالم ﷺ کے غلام ہونے کا کرتے ہیں مگر ان کو یہ حدیث شریف یاد نہ ہے کہ "ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں"

اِس ملک میں چور، ڈاکو، راہزن اور لٹیرے اقتدار پر قبضہ جمانے والے سب آزاد ہیں اگر آزاد نہیں تو عوام الناس جن کی نہ جان محفوظ نہ عزت محفوظ یہ کیسی آزادی ہے، رشوت خوری اور ذخیرہ اندوزی اپنی حدوں کو چھو رہی ہے انتظامیہ اور عدلیہ مجبور ہو چکی ہے لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ قانون اور انصاف کے محافظ اپنا اپنا ضمیر بیچ رہے ہیں موجودہ معاشرہ میں ظالم طاقتور اور مظلوم بے بس اور مجبور ہو چکا ہے ہماری نوجوان نسل جو کہ ملک وملت کا سرمایہ ہے یہود ونصاریٰ کی نقالی میں فخر محسوس کرتی ہے دن بدن معاشرتی برائیوں کا گراف بڑھ رہا ہے صدارتی محلوں تک بددیانتی ہو رہی ہے۔ امریکہ بہادر سے رقم لے کر حکمران طبقہ اپنے ملک کا امن وامان اور سکون تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ فحاشی، بے حیائی اور عریانی عروج پر ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

اِس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

بنت حوا کو اتنی آزادی ملی کہ وہ ترقی پسندی کی آڑ میں یہ بھول گئی کہ اسے اس کے رب نے لباس، حجاب، ستر اور غض بصر کا حکم دیا ہے وہ چوکوں، چوراہوں کی رونقیں دوبالا کرنے میں مصروف ہے۔ کیوں جی یہی آزادی ہے کہ بے حیائی ہے۔

امت مسلمہ کے نوجوانو یہ لمحہ فکریہ ہے کہ مشرف صاحب کا اقتدار تو ختم ہو چکا ہے مگر یورپی یونین سے جو اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے کا سودا اس نے کیا تھا اس پر آج بھی 100% عمل ہو رہا ہے۔ بدکردار حکمران اور ناعاقبت اندیش سیاستدان اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف ہیں تمام تر اسلامی عبادات کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہے کہ انسان سدھر جائے سیرت کے لحاظ سے خوبصورت بن جائے صاحب کردار بن جائے ایمان والا اور حیاء والا بن جائے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے اُلٹ جاتے ہیں آفاق

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کو فراموش کر دیا گیا بڑے بڑے نامور علامہ اور مولوی حضرات ایک دوسرے فرقہ کو بدعتی، مشرک اور کافر کہنے کے سوا کوئی کام نہیں کر رہے صرف اور صرف اللہ والے کچھ اللہ کے نیک بندے آج بھی ایسے ہیں جو کہ مخلوق خدا کو خدا سے جوڑنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔

نہ محتاج سلطان، نہ مرعوب سلطان
محبت ہے آزادی و بے نیازی
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے
تو ہے علم و حکمت فقط شیشہ بازی

اب ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ ہم سب مل بیٹھ کر سوچیں کہ ہم نے یہ خطہ کس لئے اور کیسے حاصل کیا اور ہم نے اِسے کیا بنا دیا ہے۔ یہ پاکستان پاک زمین ہے یہاں نظام بھی پاک ہونا چاہیے۔ اسلام پاکیزگی کا علمبردار ہے۔ جسم کی پاکیزگی بہت اچھی بات ہے مگر روح کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ ضمیر کی پاکیزگی بہت ضروری ہے کردار کی عظمت کا ہونا ضروری ہے۔ مختلف زمانوں میں رسول دنیا میں تشریف لاتے رہے جو بھی اللہ کا رسول آیا سب سے پہلے اس نے زمانہ میں اپنے کردار کو منوایا اس کے بعد اپنی رسالت کا اظہار فرمایا جب تمام انسانیت کے محسن نبی مکرم ﷺ تشریف لائے تو سب سے پہلے 40 سال انہوں نے اپنا کردار معاشرہ میں پیش کیا اور سب کو صادق اور امین کہنے پر مجبور کر دیا۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ڈاکٹر امینہ کاکسن (انگلینڈ)

(Dr. Aminah Coxon)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

ڈاکٹر امینہ کاکسن کا آبائی نام این کاکس ہے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر اور ماہر علم الاعصاب (Neurologist) ہیں اور لندن کے قلب یعنی ہارٹ سٹریٹ میں ان کا کلینک ہے۔ انہوں نے طویل مطالعے اور غوروخوض کے بعد ۱۹۸۵ء میں اسلام قبول کیا۔ ریاض (سعودی عرب) میں مقیم مشہور پاکستانی مصنف جناب حنیف شاہد نے ان سے بذریعہ ڈاک قبول اسلام کی وجوہ دریافت کیں اور اپنی قابل قدر کتاب "Why Islam Is Our Only Choice" میں محفوظ کردیں۔ ذیل کا مضمون اسی انٹرویو کا آزاد ترجمہ ہے۔

☆☆☆☆☆

"میں ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو لندن کے ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوئی۔ میری والدہ ایک امیر کبیر باپ کی بیٹی تھی جب کہ والد برٹش امریکن ٹوبیکو کمپنی کے ڈائریکٹر تھے۔ ہم دو بہن بھائی ہیں دونوں نے کیتھولک بورڈنگ اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ بھائی آج کل امریکہ میں ایک معروف تاجر ہے۔ اس کے تین بچے ہیں اور وہ کیتھولک عیسائی کی حیثیت سے آج بھی پابندی سے گرجے جاتا ہے۔

میرے والد کو ٹوبیکو کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۳ء تک آٹھ سال کا عرصہ مصر میں گزارنا پڑا، اس طرح بچپن کے دوسال تک مجھے بھی اس مسلمان ملک میں مقیم رہنے کا موقع ملا اور غیر شعوری طور پر میں اہل مصر کی سماجی زندگی، عمومی اخلاق اور رسوم ورواج سے بہت متاثر ہوئی۔ قاہرہ کی خوبصورت مسجدوں، ان کے میناروں اور خصوصاً اذان کی آواز نے میرے دل ودماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے اور غیر محسوس طریقے سے میرا دل ان کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

۱۹۴۷ء میں میں واپس انگلینڈ آ گئی اور یہاں ایک پرائمری اسکول میں داخل کرادی گئی۔ ۱۹۵۳ء میں میرے والد بھی مصر سے لندن آ گئے اور ان کی راہنمائی میں میں زندگی کے میدان

میں آگے بڑھنے لگی۔۔۔میں طبعاً محنتی واقع ہوئی ہوں چنانچہ میں نے ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ایم بی بی ایس کے بعد رائل کالج آف میڈیسن اور یونیورسٹی آف لندن سے نیورولوجی میں پوسٹ گریجوایٹ ڈگری بھی حاصل کر لی۔اس کے ساتھ ہی نفسیاتی تجزیے (Psychoanalytic) کا کورس بھی مکمل کر لیا۔"

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر این کاکسن نے شادی کر لی۔ بچے بھی ہوئے لیکن بدقسمتی سے یہ شادی کامیاب نہ ہو سکی کہ ان کا خاوند ایک مادہ پرست، خودغرض انسان تھا۔وہ بیوی بچوں کو اخراجات کے لیے کچھ بھی نہ دیتا لیکن الٹی دھونس جماتا رہتا، نتیجہ یہ کہ چند سال کے بعد انہوں نے اس شخص سے طلاق لے لی۔

۱۹۷۸ء میں ڈاکٹر موصوفہ نے لندن کی ہارٹ سٹریٹ میں جسے میڈیکل روڈ بھی کہا جاتا ہے، اپنا کلینک بنا لیا اور پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔حسن اتفاق سے انہیں آغاز ہی میں چند مسلمان مریض خواتین سے سابقہ پیش آیا اور وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئیں کہ خطرناک امراض اور شدید تکلیف کی حالت میں بھی مسلمان خواتین کمال درجے کی حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتی تھیں اور اس کا سبب خدائے واحد پر ان کا یقین و ایمان تھا۔اس ضمن میں وہ بالخصوص دو خواتین سے بہت متاثر ہوئیں۔۔۔اولاً ایک نوجوان مسلمان لڑکی اپنی بیمار ماں کو لے کر ان کے کلینک میں آئی۔ڈاکٹر نے ایسے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر لڑکی کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو چھاتی کے کینسر میں مبتلا ہے، لیکن جب لڑکی کو اس خطرناک مرض کا بتایا گیا تو اس نے برجستہ کہا "الحمد اللہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ میں آپ کے پاس آئی اور مجھ پر اس مرض کا انکشاف ہو گیا۔۔۔۔"

ڈاکٹر امینہ کے لیے یہ مشاہدہ بے حد حیران کن تھا کہ وہ لڑکی نہ گھبرائی نہ روئی نہ چلائی۔اس نے کمال صبر اور حوصلے سے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس یقین کا اظہار بھی کہ اللہ کے فضل سے وہ صحت یاب ہو جائے گی۔لڑکی کے اس رویے سے ڈاکٹر بہت متاثر ہوئی جس نے ایک کمزور لڑکی کو حوصلے اور صبر کی ایک خاص قوت سے روشناس کر دیا تھا۔

اسی طرح ۱۹۸۳ء میں ان کا تعارف اومان کے سلطان قابوس کی والدہ محترمہ سے ہوا۔موصوفہ ذیابیطس کی مریضہ تھیں لیکن صبر، وقار اور حوصلہ مندی ان پر بھی ختم تھی۔وہ شاندار شخصیت

کی حامل ایک خوبصورت خاتون تھیں، لیکن محبت، شفقت اور حلم کا پیکر مجسم بھی اور حالانکہ بے رحم مرض نے انہیں نچوڑ کر رکھ دیا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی زبان پر کبھی بھول کر بھی حرفِ شکایت نہ آیا۔۔۔۔اِس بزرگ بیمار خاتون کی روش نے بھی ڈاکٹر امینہ کا کسن کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور اس حوالے سے وہ سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے بارے میں سوچنے لگی۔۔۔۔اور کچھ عرصے کے مطالعے اور غور و فکر کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے اپنے آبائی مذہب عیسائیت کو کیوں ترک کر دیا؟

انہوں نے بتایا:۔

''میں آبائی طور پر کیتھولک تھی۔ والدہ اور والد دونوں کیتھولک تھے۔ مجھے بھی بچپن میں ایک کیتھولک اسکول میں داخل کرایا گیا جہاں میرے والدہ کی خالہ اور متعدد عم زاد (کزن) لڑکیاں ننوں (Nons) کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہی تھیں۔ میں بھی بیس سال کی عمر تک اپنے آبائی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات سر اُٹھانے لگے۔ مضبوط دیواروں میں دراڑیں پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ یہ سوچ کر مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی کہ یہ میرے بدترین گناہ تھے۔ جن کی پاداش میں حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور وہ بہت ہی دردناک موت سے دوچار ہوئے۔۔۔۔اِسی طرح عشائے ربانی کے حوالے سے یہ تصور کر کے مجھے بے اختیار گھن آنے لگتی کہ یہ کھانا دراصل حضرت مسیح کے گوشت اور ان کے خون پر مشتمل ہے اور تثلیث کا مسئلہ تو مجھے بہت ہی پریشان رکھتا اور خدا کو تین حصوں میں منقسم دیکھ کر بھونچکا رہ جاتی۔ یہ سوچ کر بھی میں فکر مند رہتی کہ میں تو پیدائشی گنہگار ہوں پھر حضرت مسیح سے کیسے محبت کا دم بھر سکتی ہوں۔ بائبل اور عیسائیت کے یہ عقائد میرے ذہن میں بھرے رہتے۔ جب بھی فارغ ہوتی، ان پر غور کرنے لگتی اور اُلجھن سے میرا سر پھٹنے لگتا۔ بے اختیار سوچتی کہ یہ ساری باتیں تو سراسر بے بنیاد ہیں جن کا عقل یا فطرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، پھر میں زیادہ دیر تک ان سے وابستہ کیسے رہ سکتی ہوں؟۔۔۔پھر خیال آتا کہیں میں گمراہ تو نہیں ہو رہی ہوں؟ کہیں میں اپنے مذہب سے دور تو نہیں جا رہی؟ پریشان ہو کر خدا سے دعا کرنے لگتی کہ ''خدایا میری رہنمائی فرما، حق کا راستہ مجھ پر کھول دے اگر تو نے میری دادرسی نہ کی تو میں تباہ ہو جاؤں گی، کہیں کی نہیں رہوں گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں سن لیں۔ میرے دستگیری فرمائی اور سوتے میں یکے بعد دیگرے میں نے تین واضح خواب دیکھے۔ جن میں کوئی ابہام نہ تھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہدایت کیلئے میری بے قراری اور تجسس کے نتیجے میں خدا میری رہنمائی کر رہا ہے۔ خواب میں مجھے بتایا گیا کہ (۱) اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کیلئے مجھے کسی پادری کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) اسلام ہی سچا دین اور سیدھا راستہ ہے۔ (۳) حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ آپس میں گہری یگانگت رکھتے ہیں، دونوں جنت میں اکٹھے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ نے مجھے حضرت محمد ﷺ کی تحویل میں دے دیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں تلاشِ حق میں بڑی پریشان اور مضطرب تھی تاہم یہ بھی خیال آتا تھا کہ مجھے اپنے آبائی مذہب سے دور نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔لیکن مسلمان مریضوں نے میرے دل میں اسلام کیلئے مزید نرم گوشہ پیدا کر دیا بالخصوص ان کا یہ عقیدہ کہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے جب کہ اس کے برعکس یورپ میں لوگ ہر اچھے کام کا کریڈٹ خود لیتے ہیں جبکہ برے انجام کو خدا سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں میں بالخصوص اومان کے سلطان قابوس السعید کی والدہ محترمہ سے بے حد متاثر ہوئی۔ محترمہ میری مریضہ تھیں۔ ضعیفی اور صحت کی خرابی کے باوجود وہ ہر ایک سے مسکرا کر ملتیں اور ہر ضرورت مند پر کھلے دل سے دولت نچھاور کر دیتیں۔ وہ شدید تکلیف میں مبتلا تھیں لیکن انہوں نے کبھی بھی شکوہ و شکایت کا انداز اختیار نہ کیا، بلکہ بلکہ بات بات پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔۔۔ اور جب میں پوچھتی کہ بیماری کی انتہائی تکلیف میں کون سے چیز انہیں اطمینان اور امید سے وابستہ کیے ہوئے ہے تو وہ احترام اور محبت کے گہرے احساس سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتیں کہ وہ وہی ذاتِ گرامی ہے جس کا فضل و کرم انہیں مایوس نہیں ہونے دیتا۔ وہ کمال یقین کے ساتھ فرماتیں اللہ تعالیٰ ''الرحمان اور الرحیم'' ہے، وہی انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور وہی کسی حکمت کے تحت تکلیف سے دوچار کرتا ہے۔ مَیں اس کی رضا پر راضی ہوں اور اپنی تکلیف سے پریشان نہیں ہوں۔ واقعتاً سلطان قابوس کی والدہ محترمہ ایک مثالی مسلمان خاتون تھیں۔۔۔ انہوں نے مجھے اسلام کے بہت قریب کر دیا اگرچہ تین واضح خواب دیکھنے کے

باوجود میں ابھی تک اپنے آپ کو قبولِ اسلام پر آمادہ نہ کر پائی تھی، لیکن رمضان آیا تو میں موصوفہ محترمہ کی ترغیب پر روزے رکھنے لگی اور پہلی بار سچے روحانی سکون سے آشنا ہوئی۔

ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ دوسرا رمضان آنے والا تھا کہ کویت کے ایک مسلمان خاندان سے میرا تعارف ہوا۔ یوسف الزواوی، سربراہِ خانہ، بہت بیمار تھا، لیکن خدا پر مریض اور باقی خاندان کا یقین وایمان دیکھ کر میں دنگ رہ گئی۔ یہ لوگ بھی حوصلہ مندی، صبر واستقامت، محبت اور خلوص کا بہت خوبصورت نمونہ تھے۔ مغربی گھرانوں کے برعکس، سب ایک دوسرے پر جان چھڑکتے اور سربراہِ خانہ کی صحت یابی کیلئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے۔۔۔ میں نے اپنے پیشے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مریض کا خاص خیال رکھا، اس کی خوب قدر افزائی کی۔۔۔ ایک روز ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے یوسف الزواوی نے کہا ''میں آپکی خدمت اور احسانات کا شکریہ کیسے ادا کروں؟ جی چاہتا ہے کہ ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔۔۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو اپنی بہو بنا لوں، آپ کو اپنے گھر کا فرد بنا لوں''۔

''لیکن میں تو ان سے بھی زیادہ قیمتی چیز کی طلب گار ہوں''۔ میں نے جواب میں تجسس پیدا کیا۔

''وہ کیا؟'' یوسف اور اس کا سارا خاندان پریشان ہو گیا۔ ''آپ مجھے مسلمان بنا لیجئے، اپنے دین میں شامل کر لیجئے''۔ میری بات سن کر اس گھرانے کا عجیب حال ہوا۔ خوشی سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ یوسف کی آنکھیں بے اختیار چھلک پڑیں اور سب لوگ مسرت کے غیر معمولی احساس سے نہال ہو گئے۔۔۔ دوسرے دن میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور ایک مسلمان کی حیثیت سے رمضان المبارک کے سارے روزے رکھے، نمازوں میں ذوق وشوق سے شرکت کی۔۔۔ الحمدللہ مجھے میری منزل مل گئی، ایک گرا ہوا انسان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی روح روشن، صاف سیدھی شاہراہ پر آ گئی۔ سوچتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے احسانِ عظیم کا شکر کیسے ادا کروں؟ وہ زبان کہاں سے لاؤں جو اس کی حمد وثنا کرے؟۔

سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر ۵)

طارق محمود

یہاں آنے کے بعد ایک ضروری کاروائی وزارتِ داخلہ کے ایک دفتر میں حاضری تھی۔ٹریننگ پروگرام میں ایک ماہ کی توسیع ملنے کے بعد دوبارہ یہاں حاضری ضروری تھی۔ویزا کی تجدید کیلئے کچھ کاغذات پر کرنے کے بعد ایک کمرے میں لے جایا گیا۔جہاں دو تین عمر رسیدہ واز کار رفتہ موجود تھیں تحقیق و تفتیش کیلئے اشتیاق کے حصے میں جو محترمہ آئی وہ خاصی سنکی اور جھکی قسم کی نکلی اگر چہ اس کے سوالوں کے بے معنی اور لایعنی سلسلے کے باوجود اشتیاق کی طبیعت میں ذرا بھی تکدر نہیں آیا۔چند سوالات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:۔

ملازمت کہاں کرتے ہو؟ والد کا نام؟ والدہ کا نام؟ والدہ گھریلو خاتون ہے یا ملازم؟ والد کی عمر کیا ہے؟ کتنے بہن بھائی ہیں؟ کہاں رہتے ہو؟ سب سے بڑے بھائی کی عمر کیا ہے؟ جب اشتیاق نے 52 سال بتادی تو پھر بحث چل نکلی کہ پیدائش کا سال کیا تھا؟ بھائیوں کے نام کیا کیا ہیں؟ بچے کتنے ہیں اور ان کی عمریں کیا کیا ہیں؟ بیوی بچے کہاں رہتے ہیں؟ بیوی گھریلو عورت ہے یا ملازم؟ پہلے بھی کسی ملک میں جانا ہوا؟ (اثبات میں جواب پر پھر سوال کہ کتنا عرصہ رہے؟ کیا وہ بھی IAEA کا ہی کوئی پروگرام تھا وغیرہ وغیرہ)

والدہ کا نام شادی سے پہلے کیا تھا اور شادی کے بعد کیا تھا؟ پاسپورٹ کی تاریخ اجراء اور Expiry Date دونوں نے مل کر دریافت کی پاسپورٹ سے۔یہ وہ چند سوال تھے جو مجھے یاد رہ گئے ورنہ یہ سلسلہ کافی طویل تھا آخر میں تمام پہلوؤں پر سیر حاصل معلومات اکٹھی کر کے یہ محترمہ خاصی آسودہ محسوس ہو رہی تھی کہ اس نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔آخر ایک نکتہ اس نے پکڑ ہی لیا کہ یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اشتیاق کی جو تصویر پاسپورٹ میں لگی ہوئی ہے وہ اسکی موجودہ کیفیت سے مختلف ہے (دراصل اشتیاق نے وہاں جاتے ہی مونچھوں سے چھٹکارہ حاصل کر لیا تھا) اب صورت حال کا حل یہ نکالا گیا کہ یا تو مونچھیں بحال کر کے حاضر ہوا جائے تو پھر نئی تصویر مہیا کی جائے، آخر الذکر چونکہ آسان حل تھا اس لئے اگلے دن نئی تصویر بنوا کر دینے کا وعدہ کر کے بات پایہ تکمیل تک پہنچائی گئی۔

میرے حصے میں جو خاتون آئی وہ انگریزی سے بالکل نابلد، اس نے ساتھ گئے ہوئے

ہمارے گائیڈ کے ذریعے چند ضروری سوال پوچھے۔ ساتھ ساتھ دوسری میز پر جاری طرزِ تفتیش پر نظروں ہی نظروں میں تبصرہ جاری رہا۔ صرف والدہ کے نام پر اِسے حیرت ہوئی کہ شادی سے پہلے اور بعد والے کالم میں ایک ہی نام کیوں لکھا گیا ہے۔ یہ بات اس کیلئے بہت عجیب تھی، میں نے اِسے بتایا کہ یہ نام کی تبدیلی کی بدعت اس دور میں عام نہ ہوئی تھی اِس لئے یہی درست ہے۔ ثابت ہوا کہ دفاتر میں یہاں بھی بزرجمہر نایاب نہیں ہیں۔

ایک بار پھر BIZOVAC

کرواشین زبان میں 'C' کا حرف 'tz' کی آواز دیتا ہے۔ اِس لحاظ سے دُبراوکو کے گاؤں کا نام 'بزوویٹز' پڑھا جاتا ہے۔ زبان یہاں کی خاصی مشکل لگی دو ماہ کے قیام کے بعد ضروری گنتی اور چند رسمی جملوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اِس کے برعکس انڈونیشیا میں صرف تین ہفتے میں اچھی خاصی شُد بُد ھ ہوگئی تھی وہاں کی زبان سے۔ اب بھی کوئی ملائشین یا انڈونیشین مل جائے تو سن کر چونک اُٹھتا ہے کہ تین ہفتوں میں اتنی روانی سے بول لینا حیران کن ہے۔

ایک ماہ بعد پھر جی چاہا دیارِ دبراوکو کی سیر کا۔ اشتیاق نے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کر دی بغیر کسی عذر معقول کے۔ ٹرین کی روانگی کا وقت دوپہر 12:48 لکھا تھا اور عین اِسی وقت ہی پہیہ گردش میں آیا۔ چھ، چھ سیٹوں کے کمپارٹمنٹ تھے۔ نیم دراز ہو کر نہایت آسودگی سے سفر کو Enjoy کیا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت حدِ نظر تک، کہیں گرد و غبار نام کو نہیں تھا۔ شاید موسم بہار کے جوبن پر ہونے کی وجہ سے۔

دبراوکو سٹیشن پر لینے آیا ہوا تھا۔ گھر پر اس کا والد حسب سابق صحن خانہ کی گھاس کی کٹائی میں مشغول۔ اس بار کافی تپاک سے ملا۔ پسینے میں شرابور بیئر میں چسکیاں لیتے ہوئے حیرت کا اظہار کر رہا تھا کہ آپ لوگ اس لذیذ مشروب سے کیوں اجتناب برت رہے ہو۔

والدہ دبراوکو کسی نزدیکی شہر میں گئی ہوئی تھی اور اِسکی واپسی رات تک متوقع تھی۔ کھانا بنا ہوا تھا جو سرِ شام کھا لیا گیا۔ کھانے کے بعد اسی جوہڑ نما جھیل پر گئے۔ مچھر نما حشرات نے بازوں اور چہرے پر خوب کاٹا جس سے خاصی سوزش ہوئی۔ دبراوکو کے جسم کا زیادہ حصہ بغیر کپڑوں کے تھا لیکن اسکے باوجود وہ اس اذیت سے محفوظ تھا۔ یہ غنیمت ہے کہ یہ سوزش واپسی سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی۔ جھیل سے واپسی پر ایک دوشیزہ جوگنگ کرتی نظر آئی۔ قریب ہونے پر پتہ چلا کہ وہی

"روز" نامی دوست ہے دبراوکو کی اِس دن کی نسبت خاصی بہتر کیفیت میں تھی۔
میں نے اِسے کہا کہ اگر اشتیاق تمہیں آج دیکھتے تو ضرور کہتے کہ You are looking very beutiful اور شاید سات، آٹھ مرتبہ تو ضرور دہراتے لیکن میں ایک ہی دفعہ کہہ دیتا ہوں اِسی کو کافی جانو۔
جوگنگ ختم کر کے وہ بھی آ گئی اور گرمیوں کیلئے مخصوص باورچی خانے میں ہم تینوں بیٹھ گئے، یہ بالکل اتفاقیہ ملاقات تھی لیکن محترمہ نے خواہش ظاہر کہ وہ کلچر اور سوسائٹی کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھنا چاہ رہی ہے۔ دبراوکو نے دوطرفہ ترجمان کی نشست سنبھال لی۔
سوال عمومی نوعیت سے لے کر ذاتی معاملات تک چلتے رہے میں بھی وسیع النظری کا بھرم رکھنے کو کھلم کھلا Option دی کہ جو دل چاہے سوال پوچھ خواہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، ہمارے معاشرے میں عورت کے حقوق سے لے کر معاشرتی اقدار، سماجی رویوں سے ہوتے ہوئے نجی نوعیت کے گفتنی اور ناگفتنی سوال تسلسل سے چلتے رہے اور مجھے ایسے لگا کہ میری تحلیل نفسی شروع ہو چکی ہے۔ یہ دونوں پہلی دفعہ میرے سوالوں کے زخم خوردہ تھے اِسی لئے شاید دونوں غیر شعوری طور پر مجھے ہر طرح چھان پھٹک رہے تھے۔ میں بھی رسی ڈھیلی چھوڑی اور بغیر کسی ملمع سازی کے وہ کچھ بتاتا گیا جو سچ تھا۔ یہ گفتگو جو رات 9 بجے شروع ہوئی تھی، رات 12 بجے تک شدت سے جاری رہی۔ اس کے بعد اپنے تئیں اس خاتون نے میرے جوابات کی روشنی میں اپنا تجزیہ پیش کیا جسکے مطابق میں زندگی سے بھرپور طریقے سے محظوظ نہیں ہو رہا اور اس کے خیال میں، مجھے کسی کو Hurt کئے بغیر زندگی سے لطف اندوز ہونے کا پورا حق ہے اور مزید یہ کہ خدا کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ بندوں کو آسائش دے کر خوش ہو نہ کہ انہیں مقید کر کے مشکل میں مبتلا کرے۔ اس کے نزدیک تمام مذاہب اپنی جگہ۔ لیکن موجودہ دور میں انسان کو انہیں من وعن ماننے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا کہ بات اب فیصلہ کن موڑ پر آئی ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا بائبل پر تمہیں کچھ اعتقاد ہے۔ کہنے لگی Partially ، میں نے کہا کہ کیا یہ Partial beleif تمہارا، Bible کو بھی Acceptable ہے؟
دبراکو نے کہا کہ یہ بات تو پھر اس دن والے رُخ پر چلی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ اصل مسئلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ میرے بعض پہلوؤں سے ناخوش ہونے کا تجزیہ تمہارا بھی اسی وجہ سے

کہ میں قرآن پر Partial belief رکھ کر مطمئن نہیں ہوں۔ جب بائبل اور قرآن اپنے اوپر اس طرح کے ادھورے Belief کو Accept نہیں کرتے تو پھر ہمارے لئے کیا لائحہ عمل رہ جاتا ہے؟ مکمل اقرار کرنا ہمارے لئے Practicable نہیں اور انکار کرنے سے ہم سوسائٹی کیلئے acceptable نہیں رہتے۔ تو میرے دوستو! یہ مسئلہ ہم سب کا ہے اور اس میں، میں یا تم فریق نہیں ہیں۔ جب یہ خاتون یہ کہہ رہی ہے کہ "میرے خیال میں خدا کو ایسا ہونا چاہیے" تو غلطی ہو چکی۔ یہ فیصلہ تو خدا نے کرنا ہے کہ اس کے بندوں کو کیسا ہونا چاہیے۔ اس اثناء میں 12-30 ہو گئے۔ ٹرین کا وقت قریب آ چلا تھا۔ میں نے اس موضوع کو کنارے لگانے کیلئے ایک اور ملاقات کی ضرورت کا ذکر کر کے ان کو زیگرب آنے کی دعوت دے دی۔

واپسی پر پھر والدہ دبراوکو نے جو کہ ۱۱ بجے واپس آ گئی تھی، تین درجن انڈے، مٹر اور مرغی ذبح شدہ وغیرہ کے ساتھ، ایک بیگ نما چیز میں ڈال دیئے تھے۔ دبراوکو نے باتوں کے دوران دو سینڈوچ راستے کیلئے تیار کر کے ساتھ رکھ دیئے۔

واپسی سفر بھی نہایت آرام دہ تھا۔ کمپارٹمنٹ میں، میں اکیلا تھا۔ نیند کافی حد تک پوری ہو چکی تھی۔ اتوار کو میں نے اشتیاق سے مشورۃً پوچھا کہ کیوں نہ ہم یہ مرغی اور کچھ انڈے لے کر جاوید صاحب کے ہاں جا کر کھانے کا اہتمام کریں (اصل میں انکو اوون میں پکانے کا بہت عمدہ سلیقہ ہے اور صلائے عام بھی کہ جب چاہیں پروگرام بنا لیں) اشتیاق نے تجویز کی پذیرائی نہ کی۔ میں بھی دوبارہ کہے بغیر اپنے معاملات اور اشغال میں لگ گیا۔ گھنٹے ڈیڑھ بعد خود ہی کہنے لگے کہ جاوید کو فون کر کے پروگرام طے کر لیں۔ میں نے جوابی ضد اختیار کئے بغیر جاوید اور اریب سے رابطہ کر کے دوپہر کا پروگرام فائنل کر لیا، وجہ پوچھی اشتیاق سے اِس تبدیلی کیفیت کی تو کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ آپ کیا کہیں گے اور محسوس کریں گے کہ ہر بات میں اختلاف کرتا ہے۔ آپ کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ تجویز قبول کر لی ہے۔ میں نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُنہیں بتایا کہ دوستی کی شرطِ اولین یہی ہے جس کو آج آپ نے اختیار کیا ہے۔ کسی درست موقف پر ڈٹ جانا تو بلاشبہ کردار کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے لیکن بے معنی بات پر ضِد پر اُتر آنا صفت جہلا کی ہے۔

اریب آجکل اپنے اس دوست دانیال کے ہاں مقیم تھے۔ اس نے گھر میں کافی ذخیرہ کتابوں اور CD's کا بمعہ اعلیٰ قسم کے ساؤنڈ سسٹم کا رکھا ہوا ہے۔ اس لئے بالآخر فیصلہ ہوا کہ

نشست بجائے جاوید صاحب کے گھر کے، اریب کی طرف ہو۔ جہاں طعام کے علاوہ ذوقِ سماع کی تسکین کا اِنتظام بھی ہے۔

دوپہر ایک بجے سے لیکر 6 بجے تک یہ چہار شخصی مجلس قائم رہی۔ کھانا بہت عمدہ بنا تھا اور اِسکی خاصی بات اسکی Presentation تھی۔ تہہ در تہہ مختلف سبزیاں سلیقے سے لگی ہوئی اور اس کے اوپر مرغی۔ ساتھ میں صابری برادران کی آوازیں۔ میرے لئے تو نہایت آسودگی کا باعث ہوا۔ جاوید تو خیر واقعی شوق سے سنتے ہیں۔ اریب بھی موسیقی کے شعبے سے وابستگی کی وجہ سے محظوظ ہو لیتے ہونگے۔ اشتیاق بھی موزوں حد تک موافقت اختیار کر لیتے ہیں میرے اِس ذوق سے، بقول جاوید صاحب کے، چشم فلک نے زیگرب میں اتنے پاکستانیوں کو اکٹھے کم کم ہی دیکھا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے، پاکستان ایمبسی جب یہاں تھی اور کچھ فوجی حضرات بھی جنگ کے دنوں میں تو اس وقت کچھ رونق تھی پاکستانیوں کی۔

اریب بھی خاصے رکھ رکھاؤ والے نوجوان ہیں۔ بال البتہ اپنے جز وقتی شوق کی یا پروفیشن کی وجہ سے شاید۔ بڑھائے ہوئے ہیں جن کو عموماً وہ چٹیا کی شکل دے لیتے ہیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ پاکستان جا کر کچھ رموز اس فن موسیقی کے سیکھنا چاہتا ہوں اور یہاں کے تجربے کو استعمال کر کے وہاں کوئی مقام پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اتنا عرصہ یہاں کے ماحول میں جذب ہو کر اب پاکستان آپ کیلئے acceptable ہوگا۔ کہنے لگے کہ میں adjust کرلوں۔ میں نے مزاحاً چھیڑا کہ Will you be acceptable to Pakistan also غرض اس عرفاتی جملے نے خاصی مقبولیت حاصل کی اور بکثرت استعمال اس کا باقی احباب بھی کرتے رہے۔

میں نے بتایا انکو کہ وہاں بھی موسیقی اب پاپ بن چکی ہے اور آپ کو وہاں زیادہ اجنبیت نہ ہوگی کیونکہ کئی گروپ اس نوعیت کے لوگوں میں اس غیر شریفانہ موسیقی کا جنون پیدا کرنے میں لگے ہوئے جن میں سب سے نمایاں گروپ بھی جنون ہی ہے۔ اریب کا رویہ بیشتر معذرت خواہانہ ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیں زیادہ وقت نہیں دے پاتے باقاعدگی سے اور اس بات پر شرمندہ بھی ہوتے ہیں لیکن انہوں نے اتنے روگ پال رکھے ہیں کہ باوجود خواہش کے بھی ان کے پاس وقت کم ہی ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

منشور دعوت

وَعَسٰی اَنْ تُکْرِھُوْا وَّھُوَخَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْاءً وَّھُوَشَرٌّ لَّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o

(البقرہ ۔ 216)

ترجمہ

عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور ایک چیز تمہیں بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مُضر ہو۔ اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

تعمیر ملت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

چراغ راہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ
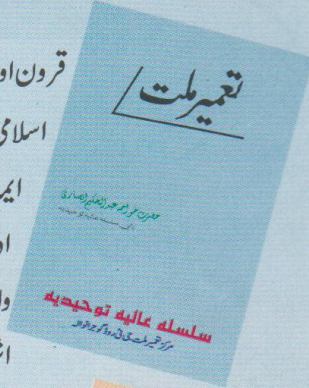
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
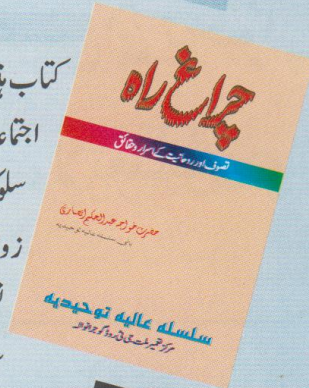
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حقیقت وحدت الوجود

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔

مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
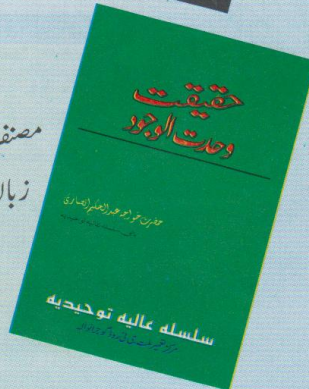
Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net